عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی !!

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماھنامہ غزالی

ذیقعدہ ۱۴۳۰ھ/ نومبر ۲۰۰۹ء

RegNo.P476

جلد:ہشتم

شمارہ:3

فہرست

عنوان	صاحبِ مضمون	صفحہ نمبر
۱۔ ذکرالٰہی (قسط۔۷)	حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ	۳
۲۔بیان (آخری قسط)	ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم	۸
۳۔ملفوظاتِ شیخ (قسط۔۱۶)	ظہور الٰہی فاروقی صاحب	۱۳
۴۔تبصرۂ کتب	ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہ	۱۹
۵۔سفرِ حج (قسط۔۲)	انجنیئر ڈاکٹر قیصر علی صاحب	۲۰
۶۔عجیب	ڈاکٹر مولانا عبیداللہ صاحب	۲۸
۷۔اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبا لے کر	قدرت اللہ شہاب مرحوم	۲۹

فی شمارہ: -/15 روپے

سالانہ بدل اشتراک: -/180روپے

ملنے کا پتہ: پوسٹ آفس بکس نمبر1015،یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

ای۔میل: physiologist72@yahoo.com

mahanama_ghazali@yahoo.com <<<

saqipak99@gmail.com

ویب سائٹ: www.iaa.org.pk

ذِکرِ الٰہی (ساتویں قسط)

(حضرت مولانا اشرف صاحب سلیمانیؒ)

ایک عالم نے (جو پہلے حضرت تھانوی و حضرت و مولوی محمد عیسیٰ رحمہما اللہ سے کچھ تعلق رکھ چکے تھے) حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ سے رجوع کیا۔ حضرت الشیخ قدس سرہٗ نے ان کے قدیم تعلق کے بنا پر ان کی تربیت کا نہج اور ذکر کی تلقین بالکل "اشرفی طریق" کے مطابق رکھی کہ سالک جب کسی ربانی شیخ کے زیر تربیت رہ چکا ہوتا ہے اور اذکار کو ایک خاص طرز کے مطابق کر چکا ہوتا ہے تو اس کی طبیعت اس طریقِ تربیت اور نصابِ ذکر سے انسیت و موافقت اختیار کر لیتی ہے۔ اور اس کے باطنی ملکات کی نشو و نما اس نہج پر ہونے لگتی ہے اس لئے حکیم و محقق شیخ حتی الوسع اس کے معمولات میں تغیر نہیں کرتا، ہاں ضروری تراش خراش اور مزید تربیت اپنی صوابدید کے مطابق سالک کے مناسبِ حال کرتا رہتا ہے اور یہ عالم مذکور تو حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کے اپنے شیخ نور اللہ مرقدہٗ سے ہی تعلق رکھے ہوئے تھے بہر حال ان کے نام حضرت والاؒ کے خطوط کے اقتباسات افادۂ عام کے لئے نقل کرتا ہوں۔ اولاً حضرت والا قدس سرّہٗ نے ان سے استفسار فرمایا:۔ "حضرت (تھانوی) رحمہ اللہ علیہ کی تصانیف سے تصوف یعنی علم احسان و اخلاص کا مقصود و مدعا تو سمجھ میں آ گیا ہوگا یہ اولین چیز ہے بالفعل آپ کے معمولات کیا ہیں؟ آپ نے قصد السبیل [1] ملاحظہ فرمائی ہے۔ آپ اپنے کو چار قسموں میں سے کس قسم میں داخل کرتے ہیں [2]"۔

---

[1] قصد السبیل حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کا ایک مختصر لیکن سلوک و تصوف کی تعلیمات پر نہایت اہم اور جامع و مانع رسالہ ہے۔ شیخؒ نے سمندر کو کوزہ میں حقیقتاً بند کر دیا ہے حضرت سید قدس سرہٗ اس رسالہ کے متعلق فرماتے ہیں:۔ "قصد السبیل جو پچاس ساٹھ صفحوں کا مختصر رسالہ ہے لیکن اس کوزہ میں دریا بند ہے فنِ سلوک کے تمام حقائق و تعلیمات جو سالہا سال میں معلوم ہو سکے ہیں اور جن کے نہ جاننے سے سالکین و طالبین غلط راستوں پر پڑ کر منزل مقصود کو گم کر دیتے ہیں اس میں لکھ دیئے گئے ہیں اگر کوئی طالب صادق صرف اسی ایک رسالہ کی تعمیل و تکمیل میں عمر صرف کر دے تو اس کے لئے انشاء اللہ کافی و وافی ہے"۔ (رسالہ معارف اعظم گڑھ ص ۱۰۷ ج ۵۳)

[2] حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے سالکین کی سہولت کیلئے مذکورۃ الصدر رسالہ میں طالبین کی چار قسمیں قرار دی ہیں: (۱) عامی مشغول (۲) عامی فارغ (۳) عالم مشغول (۴) عالم فارغ۔ اور ان چاروں قسموں کے جداگانہ معمولات (دستور العمل) مقرر فرمائے ہیں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مولوی صاحب موصوف کا جوابی خط آیا جس میں انہوں نے حضرت تھانویؒ کی تقسیم کے مطابق اپنے کو ''عالم مشغول'' کے زمرہ میں شمار کیا تھا، حضرت والاؒ نے جواباً ارقام فرمایا: ''آپ اسی میں اپنے کو شامل سمجھیں''۔ حضرت سیدی قدس سرہٗ کی مراد یہ تھی کہ معمولات واذکار کا جو دستور العمل ۳؎ حضرت تھانویؒ نے 'عالم مشغول' کے لئے مقرر کیا ہے اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ مولوی صاحب نے لکھا:۔ دیگر اورادِ مفیدہ بھی معمول میں ہیں''۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا جو جواب لکھا وہ ہر سالک و ذاکر کے لئے سرمہ بصیرت ہے، کلکِ سلیمانیؒ (سلیمانی قلم) گوہر افشاں ہوتا ہے۔ ''نفس اوراد کی کثرت غیر ضروری ہے آہستہ

حضرت سیدی رحمہ اللہ تعالیٰ کا اشارہ ان ہی چار قسموں کی طرف ہے۔ یہاں حضرت تھانویؒ کے الفاظ میں طالبین کی اس ''چہار گانہ تقسیم'' کا سبب نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، مرشد تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں:۔ '' طرز تعلیم ہر شیخ کا جدا ہے اس اس کی تفصیل اس رسالہ میں لکھنا ضروری نہیں لیکن ایک مختصر دستور العمل جو کہ غایت نافع ہونے کے اعتبار سے میرے نزدیک عطر تصوف کہنے کے قابل ہے جو بہت سی خاک بیزی کے بعد ہاتھ آیا ہے۔ عام طالبین کے لئے عموماً اپنے شیخ کی خدمت میں پہنچنے تک کے واسطے اور اپنے دوستوں کیلئے خصوصاً ہمیشہ کیلئے عمل کرنے کے واسطے ضبط کئے دیتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے قوی امید کرتا ہوں کہ اس کے موافق عمل کرنے والا محروم نہیں رہے گا پھر اگر کسی کا شیخ اسی کو منظور و جائز رکھے تب تو قصہ سہل ہوا اور اگر اوراد و اذکار اور اشغال کے متعلق کچھ اور تجویز کرے تو اسکے موافق کرنا چاہئے البتہ اس میں جتنے امور شرعاً ضروری ہیں ان میں تغیر و تبدل کی ضرورت نہیں ہے وہ بحالہ رہیں گے۔ پس خلاصہ اس دستور العمل کا یہ ہے کہ طالب یا عالم ہے یا عامی ہے اور ہر ایک ان میں سے فکر معاش و حقوق عباد سے فارغ ہے یا مشغول، یہ چار قسمیں طالب کی ہوئیں۔ ایک عامی فارغ، دوسرا عامی مشغول، تیسرا عالم فارغ، چوتھا عالم مشغول ان میں ہر ایک کے لئے ایک ایک دستور العمل خاص ہے........'' (قصد السبیل ص ۱۳، ۱۴۔ دستور العمل کی تفصیلات کیلئے رسالہ مذکور ملاحظہ ہو۔ م۔ا)

۳؎ شیخ الکل حضرت تھانویؒ نے ''عالم مشغول'' کا دستور العمل متعین فرمایا ہے۔ ''اوقات فارغہ میں کوئی وقت ایسا جس میں قلب افکار و تشویشات سے کسی قدر خالی ہو اور معدہ نہ پُر ہو نہ بھوک کا تقاضہ ہو، متعین کر کے اس میں بارہ ہزار ۱۲۰۰۰ سے چوبیس ہزار ۲۴۰۰۰ تک جس قدر ممکن ہو خلوت میں بیٹھ کر اسم ذات یعنی اللہ اللہ باوضو خفیف جہر و ضرب کے ساتھ قلب کو متوجہ کر کے پڑھا کریں اور تہجد کی پابندی کریں اور کسی وقت قرآن شریف کی تلاوت اور مناجات مقبول کی اصل عربی کی ایک منزل کا التزام رکھیں اور اگر مدرس ہیں فبہا ورنہ ایک معتد بہ وقت تدریسِ طلبہ علمِ دین میں ضرور صرف کیا کریں۔ احیاء العلوم وغیرہ مطالعہ میں رکھیں، لیکن شیخ سے دور رہ کر شغل نہ کریں۔ البتہ چندے شیخ کے حضور میں اگر یہ کام کیا ہو اور وہ اب بھی تجویز کرے تو مضائقہ نہیں''۔ (قصد السبیل ص ۱۷، ۱۸)

چلئے مگر دواماً چلئے، فائدہ کثرت میں نہیں دوام میں ہے۔ وَاِن قلَّ، مگر اخلاص اور یکسوئی ضروری ہے تاکہ نفع جلد ہو'' .... ان ہی کو مزید تاکید ہوتی ہے۔'' آپ کیلئے 'عالم مشغول' کے اعمال کی تجویز تھی اس سے آگے بڑھنے میں جلدی نہ کیجئے اس میں جو کچھ لکھا ہے اسی کی تقلید کیجئے۔ اس کتاب قصد السبیل کے آخر میں منہیات واوامر کی تصریح ہے وہ پیش نظر رہے، مقصود حصولِ تقویٰ ہے۔ کہ قرآن پاک ھُدَی لِّلْمُتَّقِیْنَ ہے اور عبادت کا منشا بجا آوری بعد حصول تقویٰ ہے۔ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ''۔ ایک اور گرامی نامہ میں انہیں توجہ دلائی کہ:۔'' آپ نے شاید قصد السبیل کو غور سے نہیں پڑھا اس میں عالم مشغول کا جو شغل وذکر اور کام بتایا گیا ہے اس کی پوری تقلید کیجئے اور کتاب مذکور کو بار بار پڑھئے۔ تاکہ سلوک کی حقیقت آپ پوری طرح سمجھ جائیں''۔ ایک دوسرے خط میں ارقام فرماتے ہیں: '' ذکر اللہ اللہ آپ کس وقت اور کس قدر کرتے ہیں جو تعداد ہو اس پر مداومت کی جائے اور یکسوئی کے ساتھ یہ تصور کیا جائے کہ نور کا نزول ہورہا ہے اور یہ بھی لکھیں کہ دل پر کیا احوال وارد ہوتے ہیں ورود واحوال ضروری نہیں، مگر اگر ورود ہو تو لکھیں لیکن نہ اس ورود و احوال کی کوشش کریں کہ یہ مقصود نہیں اور نہ اس غرض سے اس کی طرف توجہ کریں کہ یہ فساد نیت کا باعث ہوگا .... نفی واثبات کا ذکر قبل از وقت ہے۔ قصد السبیل میں اس کی ہدایت آپ دیکھیں''۔ ان کا جواب آیا کہ'' اسم ذات کا ذکر قلیل تعداد میں گاہے گاہے کیا کرتا ہوں .....''۔ حضرت والا رحمہ اللہ نے جواباً تحریر فرمایا:۔ ''اس کی ضرورت ہے کہ وقت معین کرکے پوری توجہ کے ساتھ اسم ذات کی معین مقدار کا ایک نشست میں یا متعدد نشستوں میں حسبِ سہولت ایسی آواز سے جو سنی جاسکے بغیر ضرب کے ذکر کریں۔ اس کی زیادہ سے زیادہ تعداد ۲۴ ہزار اور کم سے کم تین ہزار ہے۔ آپ کم سے کم شروع کرکے حسب ذوق وتوفیق جس قدر پہنچا سکیں''۔ مولوی صاحب نے حضرت والاؒ کے ارشاد گرامی کے مطابق ذکر کرنے کے کچھ عرصہ بعد لکھا کہ:۔ ''ارشاداتِ عالیہ پر بدستور سابق عمل پیرا ہوں، لیکن ہفتہ عشرہ سے رقت وگریہ اس شدت سے طاری ہے کہ مسجد میں مقتدیوں کے سامنے اور امامت کے دوران میں اپنے پر قابو نہیں رکھ سکتا۔ بعض اوقات بے اختیار دوران امامت میں اللہ اللہ جاری ہوگیا ...... اب رمضان کی وجہ سے کثرت تلاوت کے باعث گاہے ذکر کا ناغہ کرنا پڑے گا''۔ مشفق وحکیم شیخؒ نے جواباً ارقام فرمایا:۔'' آپ نے جو حال لکھا ہے مبارک ہے۔ اضطراب بھی انشاء اللہ مبدّل بہ سکون ہوجائے گا۔ خاکسار نے کبھی کہا تھا

ؔ دیکھئے ملتی ہے کب دولت سکون عشق کی

ہائے ہو و جوش تو ہنگامہ آغاز ہے

اگر آپ کی حالت نماز میں ایسی ہو جو ضبط سے باہر ہو تو چندے امامت سے باز رہیں .... بے شبہ رمضان المبارک میں آپ کو امامت تراویح کے لئے تلاوت میں زیادہ مصروفیت ہوگی تو ذکر کم کر دیں، مگر ترک نہ کریں، ذکر بالقلب نماز میں حارج نہیں باللسان سے احتیاط کرنی چاہئے اصل شئے نماز میں حضور اور خشوع ظاہری و باطنی ہے ....۔ اِس (نام حق میں حلاوت ملنے) پر خدا کا شکر ادا کیجئے، یہ بڑی نعمت ہے۔

ؔ تیرے نام ہی میں جو حلاوت ملے

تو سارے غموں سے فراغت ملے

ایک دوسرے گرامی نامہ میں ان ہی کو ارقام فرماتے ہیں:۔ ” ....اب اس (اولاد و معاش کی طرف سے) طمانیت کو ذکر و طاعت میں صرف کیجئے کہ اس کا شکر یہی ہے۔ جوش و خروش کی کمی کی فکر نہ کیجئے کام میں لگے رہیے اور اپنی اصلاح و تربیت کی دُھن میں لگے رہیے تا آنکہ اللہ کے سوا دل سے ہر چیز کی محبت فنا ہو جائے اور **لا الہ الا اللہ** کی تکمیل ہو جائے......(اس لئے) اذکار کی تعداد میں اضافہ فرما لیجئے۔ نوعیت میں تبدیلی کی ضرورت نہیں“۔ دوسرے مکتوبات میں ان ہی کو تحریر فرماتے ہیں:۔ ” وظائف کی کثرت کا شوق بیکار ہے۔ غرض صحت ہے نہ کہ نسخوں کی کثرت اور یا دوہ ایک نسخہ سے بھی حاصل ہو جاتی ہے........کسی نئی چیز کی حاجت نہیں، سبق کا بار بار رٹنا ہی کامیابی کا موجب ہے (اس لئے) ہر حال میں ذکر لساناً و قلباً جاری رہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے سوا عمل کا دوسرا محرک نہ ہو“۔ ماسوا سے بے نیازی کیلئے **لا الہ الا اللہ** کا ذکر و مراقبہ اس کے معنیٰ کے استحضار کے ساتھ کافی ہے (غیر اللہ سے بے خوفی) کیلئے بھی یہی ذکر کافی ہے اس کے معنیٰ کا استحضار چاہیے ....۔ اس کی کثرت غفلت کو دور کر دیتی ہے (اسلئے دوام ذکر اور عدم غفلت کیلئے بھی یہی ذکر ہے “۔ مولوی صاحب مذکور نے لکھا کہ ” خدا کا شکر ہے کہ بایں ہمہ مشغولئ معمولاتِ شبانہ روز میں کوئی فرق نہیں ہوا “۔ حضرت الشیخ قدس سرہٗ نے ہمت بڑھاتے ہوئے حکیمانہ جواب دیا:۔” بحمد اللہ تعالیٰ آپ کو استقامت پر مبارکباد دیتا ہوں اب تو زندگی کے آخیر لمحہ تک یہ

استقامت قائم رکھنا ہے۔ تَوَفَّنِیْ مُسْلِماً وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصَّالِحِیْن ط کی دعا چاہیے...... اپنی تکمیل اور اصلاح سے کبھی غفلت نہ برتیں۔ ہم ہر حالت میں ناقص ہیں یاد الٰہی سے غفلت نہ ہو۔ ذکر کا مقصود یہی ہے بدعات و رسوم سے احتراز رہے ''۔ آخری مکتوب میں حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ مولوی صاحب موصوف کو ارقام فرماتے ہیں:۔ '' آپ کا لفافہ ملا۔ حالات سے واقفیت ہوئی، سن کر خوشی ہوئی کہ معمولات پر استقامت نصیب ہے۔ مبارک، اَلْاِستقامۃ فوق الکرامۃ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں قُل ربی اللہ ثم استقم، استقامت سلوک کی اصل کلید ہے۔

عوارض کی وجہ سے کمی باعث افسوس نہیں، وہ کمی افسوس کے قابل ہے جو غفلت اپنی ارادی کوتاہی کے باعث ہو۔ ابتدائی جوش وشوق میں کمی ہے (یہ) فطری ہے۔ یہ مرحلۂ زندگی میں پیش آتا ہے یہ کوئی افسوس کی چیز نہیں، جوش وشوق ہو یا نہ، عمل میں کوتاہی نہ ہونے پائے۔ جس طرح آغاز شباب میں عروس نو کے ساتھ جوشوق وجوشِ طبع کا مظاہرہ ہوتا ہے وہ تمکین سے بدل جاتا ہے اور بجائے بوالہوسی کے دیرینہ محبت وباہمی وفاداری اس کی جگہ لے لیتی ہے۔ میرا ایک شعر ہے:۔

ے دیکھیئے ملتی ہے کب دولت سکون عشق کی
ہائے ہو و جوش تو ہنگامۂ آغاز ہے

مولوی صاحب موصوف کے نام حضرت الشیخ قدس سرہٗ کی ان تحریروں کے بنظر غائر مطالعہ سے حضرت والاؒ کا تلقین اذکار میں مسلک، تدریجی تربیت طالبین پر شفقت اور حذاقت فن اور مہارتِ طریق کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

اطلاع

آئندہ ماہانہ اجتماع انشاء اللہ! ۲۰ فروری بروز ہفتہ پشاور میں منعقد ہوگا۔ بیان عشاء کے بعد ہوگا۔ سارا سال خانقاہ میں اصلاحی مجالس اور قیام وطعام کا بندوبست رہتا ہے۔ ساتھی اس سے فائدہ اُٹھائیں۔ اپنا بسترہ ساتھ لائیں۔

بیان (۲۰۰۸-۰۴-۲۹) (آخری قسط)

(ڈاکٹر فدا محمد دامت برکاتہٗ)

انسان اسباب اختیار کرنے کا مکلّف ہے یعنی اس کو اسباب اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔اس لئے اللہ والے جو اسباب کو اختیار کرتے ہیں وہ اس امر کے پورا کرنے کے اجر وثواب کو حاصل کرنے کیلئے کرتے ہیں اس لئے اللہ والے دنیاداروں سے زیادہ اسباب اختیار کرنے کی زیادہ کوشش کررہے ہوتے ہیں ۔سبب کو رب سمجھ کہ نہیں، سبب سے کام بنتا ہے اس لئے نہیں ،سبب کے امر کو پورا کرنے پر جو اجر وثواب ملتا ہے اس کو حاصل کرنے کیلئے۔اس لئے معمولی معمولی اسباب کو اختیار کرتے ہیں ۔ہمارے حضرت مولانا صاحبؒ مریض تھے پیروں کی تکلیف کے سبب چل نہیں سکتے تھے ۔(Muscular dystrophy) تھی یعنی پٹھے ختم ہو گئے تھے۔دم کرنے والے لوگ ملنے کیلئے شوقیہ آتے تھے کہ ہم دم کرنے کیلئے آئے ہیں تو کوئی بھی آتا تو دم کرا دیتے تھے۔فرمایا کرتے تھے کہ میں اس حال میں بھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوں کہ مجھے شفا نہیں ہو گی ابھی بھی مجھے پوری امید ہے کہ اللہ شفا دینا چاہے تو ہو جائے گی۔وزیرستان کی طرف سے کوئی گدی نشین تھے وہ دم کیلئے آتے تھے سفید ریش، بڑی عمر کے آدمی تھے تو ان سے دم کراتے تھے کہ آدمی آیا ہے شوق سے تو چلیں کر دے دم۔ایک دفعہ اس طرح تھا کہ وہ گدی نشین آگے بیٹھے ہوئے تھے حضرت پیر لمبے کئے ہوئے بیٹھے تھے تو انہوں نے کہا میری ٹانگوں کو پیچھے کر دو کہ جس آدمی سے میں دم کرا رہا ہوں اس کی بے ادبی نہ ہو۔حالانکہ اپنی قطبیت کے پائے کی ولایت تھی لیکن ایک عام دم گر آدمی کی بے ادبی گوارہ نہ تھی۔ایک دن میں گیا دیکھا کہ ایک داڑھی منڈا آدمی دم کر رہا ہے میں نے کہا یہ کون ہے انہوں نے کہا یہ اس کا دوسرا بھائی ہے کہتا ہے ہم گدی نشین ہیں ہم سب کو اجازت ہے۔جب فالج آخر میں ٹھیک ہونے کو ہو تو ان دنوں میں یہ آیا کرتا تھا اس کے بھی نمبر ہو جاتے تھی ۔ساتھیوں کو بڑا اعتراض ہو رہا تھا کیونکہ ہم مولوی لوگ ظاہری شریعت کی بڑی پابندی کرتے ہیں۔میں نے کہا آپ کی بات ٹھیک ہے لیکن حضرت صاحبؒ کو باطن میں ایسا حال حاصل ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس داڑھی منڈے سے بھی زیادہ گرا ہوا سمجھ رہے ہیں اور اس سے بھی دم

کررہے ہیں۔فتوے وغیرہ آپ کو مبارک ہوں ہمیں تو دل کا یہ حال کہ جس میں اپنا آپ ساری مخلوق سے گرا ہوا نظر آرہا ہو یہی مبارک ہے سبحان اللہ۔

شاہ ولی اللہؒ کے والد کا واقعہ ہے، شاہ عبدالرحیمؒ کا، بادشاہ نے بلایا۔بادشاہ کے دربار کے لحاظ سے اچھے کپڑے پہن کر ملاقات کیلئے روانہ ہوئے۔آگے گئے تو ایسی جگہ سے گزرنا پڑ رہا تھا جہاں گندے پانی کا جوہڑ تھا اور درمیان میں تنگ سا راستہ تھا اس راستہ پر گئے آگے آگیا کتا، انہوں نے کہا یا اللہ کتا آگیا درمیان اگر یہ چلا جائے پیچھے کو، راستہ میرے لئے چھوڑ دے تو آسانی ہو مگر کتے نے راستہ نہیں چھوڑا تو انہوں نے کتے سے زبانِ حال (یہ ایک کلام کا طریقہ ہے باطنی) سے کلام کیا کہ مجھ پر اللہ کے احکامات ہیں پاک ناپاک کے اور اس کی وجہ سے اگر تو اتر جائے نیچے گندے پانی میں اور مجھے راستہ دے دے تو میرے کپڑے ناپاک نہیں ہوں گے۔کتا آگے زبانِ حال سے گویا ہوا اس نے کہا حضرت صاحب! اگر آپ نیچے اتر گئے گندے پانی میں اور آپ کے کپڑے ناپاک ہوگئے تو تھوڑا سا پانی ان پہ ڈالا اُن کو پاک کرلیں گے اور اگر میں نیچے اتر گیا اور آپ کے قلب میں یہ بات آگئی کہ میں اس کتے سے افضل ہوں تو اس سے جو قلب پر گندگی آئے گی سمندر کا پانی اس پر ڈالیں گے تب بھی صاف نہیں ہوگا۔وہ پانی میں اترے کتے کو راستہ دیا۔ان کو بتایا گیا کہ آپ کا کتے پر ایک احسان ہوا تھا آج اس کا بدلہ دیا ہے۔ آپ گزر کر جا رہے تھے اور خارش میں مبتلا کتا تھا اس کو آپ نے اٹھایا تھا، اس کی خدمت کی تھی، اس کا علاج کیا تھا اس کو شفا ہوئی تھی تو آپ کی ایک کتے کے ساتھ نیکی ہوئی تھی اس کا بدلہ اس کتے نے دیا ہے۔ سبحان اللہ! اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کی تربیت اپنے خاص امر سے فرماتا ہے کہ اگر آپ کے دل میں یہ بات آگئی کہ میں اس کتے سے افضل ہوں تو یہ گندگی تو سات سمندر کے پانی سے بھی نہیں دھلتی۔سبحان اللہ! اسی کوشش میں لگے رہنا ہے کہ سب سے پہلے اپنی فکر ہے پھر دوسرے کی فکر ہے۔اگر سب کی فکر کرتے رہیں اور سارے جنتی بن جائیں اور میں دوزخی رہا تو صفر کام بھی نہ ہوا۔کیونکہ جس دینی کام سے مجھے اللہ کی رضا حاصل نہ ہو اور میری اصلاح نہ ہو اور مجھے فائدہ نہ ہو تو وہ تو تحریک ہے جس میں زندہ باد مردہ باد ہو کر لوگوں کو جمع کیا، ہڑبونگ، ہلڑبازی ہوئی اور بس وقت گزر گیا۔ایک دفعہ ہمارے علاقے میں ایک تقریر ہو رہی تھی، ہم نے سنا تھا کہ مقرر بڑی زبردست تقریر کرتے ہیں، بڑا مزہ آتا ہے۔خیر ہم بھی

چلے گے سننے کیلئے، تقریر سنی واقعی بڑا جوش وخروش بڑا لطف ومزہ۔ واپس آئے ویسے میرے دل میں خیال آیا کہ یہ جوش وخروش لطف ومزہ اور چیز ہوتی ہے اور نورانیت اور چیز ہوتی ہے بہرحال ہمیں کیا اندازہ۔ ہمارے گاؤں میں ایک نقشبندیہ خانقاہ ہے، اس کے بڑے کاملین لوگ ہیں ہم ان بزرگوں سے ملنے کیلئے گئے اور لوگ بھی گئے۔ لوگوں نے کارگزاری سنائی تقریر کی، تو بزرگوں نے فرمایا ماشاء اللہ جوش وخروش بہت ہوتا ہے۔ انوار اور فیض کی علامت یہ ہوتی ہے کہ وہاں سے اٹھنے کے بعد آدمی کی نیکی کی توفیق میں اضافہ ہوا ہوتا ہے خواہ مزہ آیا ہو نہ آیا ہو۔ جوش وخروش طاری ہوا ہو یا نہ ہوا ہو لیکن نیکی کی توفیق میں اضافہ ہوا تو سمجھیں کہ فائدہ ہوگیا ہے اور اگر نیکی کی توفیق میں اضافہ نہیں ہوا تو سمجھیں نِرا جوش وخروش تھا یا کہنے والے میں کمی ہے یا سننے والے میں یا دونوں طرف سے ایک ہی حال ہے۔ فائدہ کیا ہوا؟ کسی سلسلے کی حق ناحق ہونے کے بارے میں آدمی اگر آگاہی حاصل کرنا چاہے تو اس میں جانے آنے والوں کی آخرت کی فکر اور آخرت کے اعمال کی فکر اور آخرت کے اعمال کی توفیق میں اضافہ ہو رہا ہے کہ نہیں ہو رہا۔ اگر نہیں ہو رہا ہے تو نری تحریک ہی ہے فائدہ اور فیض نہیں ہے۔

تو آج جو مضمون شروع کیا وہ یہ تھا تَبَارَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ وَ ھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ، برکت والی ذات ہے جس کے قبضے میں ہے ملک اور وہ ہے ہر چیز پر قادر۔ اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیَاتَ، وہ ذات جس نے پیدا کی موت اور زندگی۔ لِیَبْلُوَکُمْ، تاکہ آزمائے تم کو۔ اَیُّکُمْ، کون تم میں اَحْسَنُ عَمَلاَ، اچھا عمل کرنے والا ہے۔ بزرگ کہا کرتے ہیں ''اکثر عملا'' نہیں کہا گیا ہے کہ کون زیادہ عمل کرنے والا ہے۔ ''احسن عملا'' اچھا عمل کہ جو عمل اللہ کے دربار میں قبول بھی ہو جائے اور آخرت کیلئے کارآمد بھی ہو یہ احسن عمل ہے۔ اکثر عمل یہ ہے کہ ہم لگے رہتے ہیں اپنی مرضی سے، اس لگے رہنے کی کوشش بہت زیادہ ہوتی ہے اور فائدہ آدمی کو تھوڑا ہوتا ہے کیونکہ اپنی مرضی سے لگا ہوا ہے۔ پتہ بھی نہیں ہے کیا کریں؟ کل ڈاکٹر محمد صاحب آیا تھا تو کسی کا بتا رہا تھا کہ دو تین بیٹے کام کر رہے ہیں اور حج ان بیٹوں پر فرض ہوا ہوا ہے کیونکہ مال ان کا زیادہ ہے۔ خود فرض کے لئے جا نہیں رہے اور والد کو ایک بیٹا بنک والا نفل حج کیلئے بھیج رہا ہے بنک کے کمائی کے حرام پیسوں میں سے۔ حاجی صاحب جاتے ہوئے خوش ہو رہا ہے اب دین کا فہم ہی نہیں ہے کہ کتنا خرچہ، تکلیف، مشکل، مشقت ہو رہی ہے اور فائدہ کچھ بھی

نہیں۔۲۰۰۲ء کا رمضان تھا اور ساتھی ہمارے عمرے کیلئے گئے۔گروپ میں یہاں سے تین آدمیوں کو ساتھ کیا تھا اور چار آدمی ہم تھے۔ جہاز سے ہم ایسے وقت اترے کہ عصر ہم نے نیچے پڑھی۔وہ آدمی تو ہم سے بھٹک گئے خیر کسٹم وغیرہ ہوا تلاشیاں ہوئی اندر داخل ہوئے مغرب کی،افطاری وغیرہ کی اتنے میں ہمارے گروپ والے وہ آدمی آ پھرے۔مغرب کی اذانیں ہو رہی ہیں ان سے کہا عصر کی نماز پڑھی ہے؟ کہا کہ عصر کی نماز تو نہیں پڑھی۔میں نے کہا چلو پہلے افطاری کرو،افطاری کر کے آپ دو دو رکعات عصر پڑھیں تا کہ پھر مغرب پڑھیں کیونکہ صاحبِ ترتیب آدمی اگر قضا شدہ نماز کو نہیں پڑھے گا۔پہلے دوسری کو پڑھے گا تو اس کو دوبارہ دہرانا پڑے گا پہلے قضا پڑھے پھر دوبارہ پڑھے۔ہمیں اندازہ ہوا کہ کسی آدمی نے کوئی ترغیب وغیرہ دی ہے عمرے کی کہ عمرے سے کاروبار زیادہ ہوتا ہے،برکت ہوتی ہے وغیرہ تو چلے آئے۔اب اس نفل عمرے سے زیادہ ضروری بات جو تھی وہ فرض نماز وہ قضا!اس دفعہ جمعہ کو بڑی عید آئی تھی یہاں ہماری قربانی چل رہی ہے وہاں پر جمعہ کی اذان کا وقت ہو گیا میں نے کہا کام بند کر کے نماز کو جائیں۔تو قصاب کہتا ہے ہم کیا کریں ہمارے تو کپڑے ٹھیک نہیں ہیں؟ میں نے کہا جو کریں آپ کی مرضی ہے اس سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے میری جگہ سے کام بند کر کے نکلیں،آپ اس جگہ کو خالی کریں۔کہنے لگے کہ گوشت کو کتے لے جائیں گے میں نے کہا کہ میری قربانی تو ادا ہو گئی ہے اب کتے لے جاتے ہیں یا جو بھی لے جاتا ہے اس سے ثواب میں فرق نہیں آتا۔ذبیحہ امرِ الٰہی ہے۔جانوروں کو ذبح کر کے زمین پر خون گرایا تو قربانی ادا ہو گئی۔گوشت کھانا تو مزید اللہ کا فضل ہے۔قصاب بڑے عجیب حیران دیکھ رہے تھے کہ یہ عجیب مالک ہے۔لوگوں کا تو جذبہ ہوتا ہے کہ نماز نہ پڑھیں اور کام ختم کریں۔ہم نے دو تین بچے بٹھا دیئے گوشت کے پاس۔میں نے کہا یہاں سے نکلیں آپ،آپ نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں اس پر میں جبر نہیں کر سکتا وہ آپ کا کام ہے اگر حکومتی اختیار میرے پاس ہوتا تو جبر بھی کرتا۔کل ایک آدمی کہہ رہا تھا کہ جبر تو دین میں نہیں ہے۔درس میں سوال کر رہا تھا تو میں نے کہا آپ جبر کسے کہتے ہیں؟ کہا کہ مثلاً یہ طالبان جبر کر رہے تھے زور سے نماز پڑھا رہے تھے زور سے داڑھی رکھا رہے تھے میں نے کہا برخوردار!﴿لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ﴾ غیر مسلمان کو مسلمان کرنے کیلئے جبر نہیں ہے اور مسلمان کو فرض عمل پر ڈالنے کیلئے تو ڈنڈا ہے وہ ٹھیک کر رہے تھے شریعت کا یہی حکم تھا۔ طالبان کی حکومت

صالح حکومت تھی اور حکومت اور اقتدار کی ذمہ واری یہی ہے کہ وہ ضروری کاموں کے نہ کرنے پر ان پر جبر کرے گا۔ اذان کے بعد محتسب بازار سے گزرتے ہوئے سب کی دکانیں بند کرائے گا اب اگر کوئی دکان بند کر کے چھپ کر اندر بیٹھ گیا اور نماز نہیں پڑھی تو اس کی اپنی مرضی ہے لیکن دکان بند کرا کے مسجد کی طرف لے جانے کا جبر کرے گا۔ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ میں دکاندار اسی طرح دکان بند کر کے اندر بیٹھ جاتے ہیں۔ ایک آدمی سلسلے میں بیعت ہے سعودی عرب میں، اس کی گھر والی نے شکایت کی بیعت بھی ہے آپ سے، داڑھی بھی رکھی ہوئی ہے لیکن مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے نماز نہیں پڑھتا۔ دوسرا یہ کہ اس نے کہا میرا کہو گے بھی نہیں کہ اس نے کہا ہے۔ تو خیر جب اس ساتھی نے مکہ مکرمہ سے ٹیلی فون کیا تو میں نے کہا برخوردار میں جب وہاں آپ کے پاس آیا تھا تو آپ نظر نہیں آئے مسجد میں، میں نے ساتھیوں سے پوچھا (واقعی پوچھا تھا) تو انہوں نے بتایا کہ مسجد میں نظر نہیں آتے ہیں۔ افسوس کہ آپ بڑے دور ہیں ورنہ کرتا میں آپ کی پٹائی، پھر آپ ٹھیک ہوتے۔

یہ دنیا کے حالات آزمائش ہے اس لئے یہاں کوئی جل گیا، کوئی مر گیا، کسی کو قتل کر دیا گیا یہ تو اُس کا ظاہری پہلو ہے۔ اصحاب الاخدود کو جس وقت بادشاہ آگ کی خندقوں میں ڈال رہا تھا اسلام قبول کرنے پر تو اس میں ایک عورت کا دودھ پیتا بچہ اس سے لیا جو باتیں نہیں کر سکتا تھا اور اس کو آگ میں گرایا اس عورت کو سخت تکلیف ہوئی، کوفت ہوئی اور چیخی اور چلائی۔ تو اس بچے نے اندر سے آواز دی کہ امی جان، امی جان پریشان نہ ہوں باہر سے تو آگ ہے اندر جنت ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جنت کے حالات کھولے ہوئے تھے۔ یہ پیچھے آبادی ہے جمعہ خان کلے وغیرہ اس کے کچھ حضرات سلسلے میں آیا جایا کرتے تھے ان کی ایک عورت جل کر مر گئی تو انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب جب اس کو آگ لگی تو وہ اپنے جو مرے ہوئے رشتہ دار تھے ان کو آواز دے رہی تھی۔ میں نے کہا اس پر موت طاری ہونے والی تھی عالم برزخ اللہ نے کھول دیا تو اپنے رشتہ دار نظر آنے لگے۔ بعض اوقات رشتہ داروں کو برزخ میں اطلاع دی جاتی ہے وہ تیاری کر رہے ہوتے ہیں، استقبال کرنے کیلئے آنے والے کا۔ تو میں نے کہا اس کو برزخ کا کشف شروع ہو گیا تھا بوجہ موت کی حالت طاری ہونے کے۔

ملفوظاتِ شیخ (حضرت ڈاکٹر فدا محمد دامت برکاتہم)

(ظہورالٰہی فاروقی صاحب) (قسط نمبر:۱۶)

مومن کی بصیرت:

فرمایا کہ اعمالِ صالحہ، ذکراذکار، مراقبات اوراس کے نتیجے میں دل کا روشن ہوجانا، اس پر جو آخرت کے انعامات ملتے ہیں وہ تو ہیں ہی مگر دنیا میں جو انعامات ملتے ہیں اُن میں روحانی انعامات میں سے ایک ہے مؤمن کی بصیرت کہ اُس کو دھوکہ نہیں دیا جاسکتا اور وہ دھوکہ میں نہیں آتا، اللہ تعالیٰ اُس کی ایسی رہنمائی کردیتا ہے اور ایسی آگاہی کردیتا ہے کہ وہ دھوکے میں نہیں آتا اور شرحِ صدر کہ کس وقت کیا کام کرنا چاہیے اللہ تعالیٰ کھول دیتا ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً (النحل۔۹۷)

ترجمہ: جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت ہو بشرطیکہ صاحب ایمان ہو تو ہم اس شخص کو (دنیا میں) بالطف زندگی دیں گے۔ (معارف القرآن)

پاکیزہ زندگی میں اللہ تعالیٰ کی یہ ساری رحمتیں اور نعمتیں ہوتی ہیں۔ رحمت کے حالات، باطنی سکون کے حالات، برکت کے حالات اور شرحِ صدر کے حالات، نورِ بصیرت اور باطنی بصیرت کے حالات اللہ تعالیٰ دیتا ہے تو یہ مومن کے لیے نقد انعامات ہوتے ہیں اور وہ ان سے لطف اُٹھا رہا ہوتا ہے جبکہ دنیا والوں کو اس کا پتہ ہی نہیں ہوتا۔ دنیا والے تو ساری چیزوں کے ہوتے ہوئے بھی پریشان و خوار پھر رہے ہوتے ہیں۔

تارک الصلوة آدمی کے سُودی قرضہ لینے سے حالات بہتر ہوتے ہیں:

فرمایا کہ جو لوگ سُودی قرضہ لیتے ہیں، اگر نمازی ہوں تو ان پر بہت خراب حالات آتے ہیں، بہت پریشان ہوتے ہیں۔ ایک دن ہمارا ایک چپڑاسی آیا کہ درخواست لکھی ہوئی ہے کہ دس مہینوں کی تنخواہ کے برابر بینک قرضہ دے رہا ہے۔ اُس کی پوری داڑھی، نمازی آدمی، تو میں نے کہا! معاف کرو، بجائے اس کے قصہ خوانی یا چوک یادگار میں کھڑے ہوکر بھیک مانگ لو یہ سُودی قرضہ

لینے سے بہتر ہے۔ یہ باقاعدہ فقہی مسئلہ ہے کہ جس آدمی پر اتنی تنگدستی آگئی اور اس کے بچے بے عزت ہورہے ہیں، فاقے سے ہیں اور ان کے موت کے حالات آرہے ہیں تو اب یہ گندگی کے ڈھیر سے مری ہوئی مرغی، خنزیر یا گدھے کا گوشت اُٹھا کر کھائے یا بھیک مانگے؟ اس کے لیے بھیک مانگنا جائز اور ضروری ہے۔

آجکل اخباروں میں اکثر آتا ہے کہ تنگدستی کے ہاتھوں اپنے آپ کو جلا دیا اور بال بچوں کو قتل کردیا، تو ان نتھو خیروں کا کسی کے ساتھ دینی رابطہ ہی نہیں ہوتا۔ اس آدمی کے لئے بھیک مانگنا واجب ہے اور اس سے اسے دو باتیں حاصل ہوں گیں ایک اس کو جائز طریقے سے روزی حاصل کرنے کا ثواب ملے گا اور اس کے بال بچوں کی ضرورت پوری ہوگی اور دوسرے یہ کہ اس کو فنائے نفس حاصل ہوگا یعنی نفس ذلیل ہوگا۔ میں نے اپنے چپڑاسی سے کہا کہ بھیک مانگو... یا دوسرا طریقہ بتاتا ہوں، وہ کرو تو پھر سُودی قرضہ لے کر کامیاب ہوجاؤ گے۔ وہ یہ کہ سُودی قرضہ لے کر نماز پڑھنا چھوڑ دو اور تارک الصلوۃ ہوجاؤ تو پھر تم کو سودی قرضہ راس آجائے گا کیونکہ یہ میرا تجربہ ہے کہ تارک الصلوۃ کے عملی حالات کفار جیسے ہوتے ہیں۔ اسے میں نے کہا صحیح سلامت، صحت مند آدمی ہو، گاؤں میں تین چار جریب زمین اجارے پر لے کر کاشت کرو۔ اس نے کہا کہ وہ تو جا کر میں لے لوں گا لیکن کاشت کرنے کے لیے اخراجات نہیں ہیں۔ میں نے کہا کہ اخراجات کے لیے میرے پاس پیر کے دن آنا۔ پیر کا دِن گزر گیا لیکن وہ نہیں آیا کیونکہ محنت نہیں کرنا چاہتا۔

سامانِ راحت ہے راحت نہیں ہے:

فرمایا کہ صبح ہم گلستانِ سعدی پڑھ رہے تھے۔ شیخ سعدیؒ نے بھی عجیب وغریب باتیں لکھی ہیں۔ اُس میں اُنھوں نے لکھا ہے کہ ایک درویش کی گھر والی کو حمل تھا۔ اُس نے دعا مانگی کہ یا اللہ! تو اگر مجھے بیٹا عطا کرے تو اپنے کپڑوں کے علاوہ ساری چیزیں خیرات کرونگی۔ جب بیٹا پیدا ہوا تو واقعی اُس نے بڑا دسترخوان بچھایا اور فقرا کو کھلایا، پلایا اور خیرات کی۔ کچھ عرصہ بعد خدا کی شان کہ میں ملکِ شام کے سفر پر تھا، واپس آیا تو میں نے اس کا پوچھا کہ کیا حال ہے؟ اُنھوں نے کہا کہ جیل

میں ہے۔ میں نے کہا کہ جیل میں کیا کر رہا ہے؟ تو اُس عورت نے کہا کہ بیٹا شراب پیئے ہوئے تھا اور اُس نے کسی آدمی کو مار دیا اور مفرور ہو گیا۔ اُس بیٹے کی سزا کی پاداش میں حکومت نے باپ کو پکڑ کر جیل میں بند کر دیا ہے۔ میں نے اُسے کہا کہ تو نے یہی چیز اور یہی نمونہ دعاؤں سے مانگا تھا۔ اس کے یہ فوائد تمہیں دنیا میں حاصل ہو رہے ہیں۔ پھر کہانی لکھنے کے بعد وہ شعر لکھتے ہیں کہ جن جن عورتوں کے حمل ہیں، اگر وہ سانپ جَن لیں تو زیادہ اچھا ہو، بجائے اسکے کہ وہ ایسی اولاد جنیں جیسے کہ اس آدمی کا بیٹا تھا۔

سُبحان اللّٰہ! تو یہ چیزیں عذاب بن رہی ہیں۔ اشیاء مل رہی ہیں مگر اُن کے اثرات نہیں مل رہے کہ مال سے راحت و خوشی حاصل ہو، وہ نہیں ہو رہا سامانِ راحت ہے راحت نہیں ہے۔

میڈیکل کالج کی ایک طالبہ تھی۔ اُس کا باپ بھی ڈاکٹر تھا اور ماں بھی اور بہت کمائی والے ڈاکٹر تھے۔ ایک دن وہ اپنی دوسری سہیلی کو کہہ رہی تھی کہ تم سوچتی ہو گی کہ ہم لوگ بڑے مزے میں ہیں۔ تو میں تمھیں بتاؤں کہ ہمارے گھر کا کیا حال ہے۔ صبح جب ناشتے کے لیے ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھتے ہیں تو امی ابو کا ایسا جھگڑا ہوتا ہے کہ ناشتے کی پلیٹیں اُٹھا کر دیواروں پر مارتے ہیں اور دونوں بغیر ناشتہ کیے ہوئے اُٹھ کر چلے جاتے ہیں۔ اور وہ جو اعلیٰ درجے کا باورچی رکھ کر اتنے ذوق و شوق سے ناشتہ تیار ہوا تھا اسے تو کھایا کتے بلیوں نے اور یہ دونوں آ کر اپنے دفتر میں سر کو پکڑے ہوئے، خوار چائے کی پیالی کینٹین سے منگا رہے ہوتے ہیں۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا (طٰہٰ۔۱۲۴)

ترجمہ: اور جو شخص میری اس نصیحت سے اعراض (منہ موڑے گا) کرے گا تو اس کے لیے (قیامت سے پہلے دنیا اور قبر میں) تنگی کا جینا ہو گا۔ (معارف القرآن)

سب چیزوں کے ہوتے ہوئے زندگی تلخ ہو جاتی ہے۔ کفار کے بارے میں کہا کہ انکو ہم مال اور اولاد دیں گے۔

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَ لَا اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ (التوبۃ:۵۵)

ترجمہ: سوتو تعجب نہ کر ان کے مال اور اولاد سے، یہی چاہتا ہے اللہ کہ ان کو عذاب میں رکھے ان چیزوں کی وجہ سے دنیا کی زندگی میں اور نکلے اُن کی جان اور وہ اُس وقت تک کافر ہی رہیں۔ (معارف القرآن)

مال واولا دمل رہے ہیں لیکن راحت کے لیے نہیں بلکہ دنیا کے عذاب کے لیے۔

جب قرآن پاک تجوید کے خلاف پڑھا جاتا ہو تو کتنی ہی سُر سے کیوں نہ پڑھا جائے، اہلِ تجوید اور اہلِ عرب جن کی عربی مادری زبان ہے کو بالکل لطف نہیں آتا:

فرمایا کہ میں نے یہ مسئلہ مفتی عبداللطیف صاحب سے پوچھا تھا جو کہ دارالعلوم سرحد کے بڑے مفتی تھے اور بہت قابل آدمی تھے، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے کہ جو آدمی تجوید سیکھ سکتا ہو تو اس کے ذمہ ہے کہ تجوید سیکھے۔ ہاں اگر ایسی عمر کو پہنچ گیا ہے کہ اب اگر کوشش کرتا ہے تو بھی نہیں سیکھ سکتا تو ایسے آدمی کو رخصت ہے، جیسا اس کو آتا ہے ویسا ہی پڑھے انشاء اللہ قبول ہوگا۔

ہمارے حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ تجوید کے مطابق نہیں پڑھ سکتے تھے، اُس زمانے میں تجوید کا رواج ہی نہیں تھا۔ بعد میں ۱۹۶۹ء میں جب ان کی عمر چوالیس سال کی تھی تو ایم۔ اے اسلامیات کے ایک طالب علم فیوض الرحمٰن (جو بعد میں بریگیڈیئر ریٹائر ہوئے) سے تجوید سیکھتے رہے ہیں۔ اللہ کا تعلق اس کو کہتے ہیں۔ اب ترتیل اور بغیر ترتیل سے پڑھنے کی میں آپ کو ایک مثال دوں کہ رحمان بابا کا شعر ہے، اس کو میں بڑے ترنم سے پڑھوں۔

گورا سی کردگر دے رب زمہ   چہ صحب دے کل اختیردے رب زمہ

تو پٹھان آدمی کو بہت برا لگے گا۔ لیکن اگر بغیر ترنم کے اس طرح پڑھوں:

گورا ہسے کردِگار دے رب زما   چہ صاحب د کل اختیار دے رب زما

تو پٹھان آدمی کو مزہ آئے گا، حالانکہ نہ ترنم ہے، نہ خوش الحانی ہے لیکن پشتو کی قرأت کے مطابق پڑھا گیا۔ اگر 'کردگار' کو میں نے 'کردگر' کہہ دیا اور 'اختیار' کو 'اختیر' کہہ دیا تو کتنا ترنم سے میں کیوں نہ کہوں پٹھان آدمی کو مزہ نہیں دے گا کیونکہ پشتو کی تجوید کے مطابق نہیں ہے۔ ایسے ہی جب قرآن پاک تجوید کے خلاف پڑھا جاتا ہو تو کتنے ہی سُر سے کیوں نہ پڑھا جائے اہلِ تجوید اور اہلِ عرب جن کی عربی مادری زبان ہے کو بالکل لطف نہیں آئے گا۔ جب پڑھنے والے اپنی طرف سے جتنا ان کے بس میں ہے کوشش کر کے پڑھ لیتے ہیں تو جو کمی اس میں رہ گئی تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس پڑھے ہوئے کلام کو ملائکہ کے ذریعے دُرست فرماتا ہے اور پھر وہ آسمان کی طرف چڑھتا ہے قبول ہونے کے لیے۔ شاہی کلام ہے تو اس کو شاہی دربار میں ایسے حال میں لے جایا جاتا ہے جیسا شایانِ شان اس کو پڑھنے کے لیے کہا ہوا ہے۔ باقی اللہ تعالیٰ انسانوں پر بہت مہربان ہیں، غفور الرّحیم ہیں ایسی سختی نہیں کرتے کہ انسان برداشت نہ کر سکیں۔ جیسے ان کے بس کے مطابق ہو گیا، جتنا انھوں نے کرلیا ہے اس کو اللہ تعالیٰ قبول فرمالیتے ہیں۔ اگر صحیح طریقے سے پڑھا جائے تو اس میں بڑا لطف ہے۔

مومن جو کام بھی کرتا ھے وہ دُنیا کے چسکوں کے لئے نھیں بلکہ اللہ کی رضا کیلئے کرتا ھے:

فرمایا کہ مومن جو دنیا کی چیزوں کو کرتا ہے وہ اس لیے نہیں کہ اُس سے مادی وسائل حاصل کرے، کھائے اور مزے کرے۔ زبان کے چسکے اور گوشت کے لوتھڑے جو دو لوتھڑے ہیں اُن کے چسکے میں لگ جائے۔ آنکھ ہے اُس کا ایک چسکا ہے، کان ہے تو اس کا ایک چسکا ہے۔ ان چار چسکوں کے لیے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرتا ہے۔ وہ دنیا کا کام خواہ کتنی ہی تُندہی سے کرتا ہو اُتنا ہی اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا کا جذبہ زیادہ ہوتا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی آیا، مقروض تھا۔ اُس نے سوچا کہ نیک اور غنی آدمی ہیں صدقہ وخیرات کرنے والے، تو وہ آیا اور اُن کا مہمان ہو گیا۔ مسجد سے جب گھر آئے

اور داخل ہوئے تو دیکھا کہ چراغ جل رہا ہے تو اُنھوں نے نوکر کو بُلایا اور کہا کہ تو نے اُس میں موٹی بتی ڈالی ہے اور جب موٹی بتی جلتی ہے تو تیل زیادہ لگتا ہے اور اس سے اسراف ہوتا ہے۔ اُس آدمی نے سوچا کہ اُوہو کسی آدمی نے مجھے غلط جگہ بھیج دیا ہے کہ جو آدمی چراغ کی بتی پر اتنا جھگڑا کر رہا ہے وہ مجھے کیا دے گا؟ صبح یہ آدمی ایسے ہی جانے لگا تو حضرت عثمانؓ نے اس سے پوچھا کہ کس لیے آئے تھے؟ اس نے بتانا مناسب نہ سمجھا۔ بڑی تحقیق کی تو اُس آدمی نے بتایا کہ اس طرح میں کچھ مقروض تھا اور مدینے آیا تھا کہ میری ادائیگی کی کوئی صورت ہو۔ جتنا قرض اُس نے بتایا آپؓ نے اتنے پیسے لا کر دے دیے۔ اور وہ جو آپؓ چراغ کی بتی پر ناراض ہو رہے تھے تو وہ اس لیے تھا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا مال ہے۔ اُس کے کمانے میں جیسے اُصول ہیں ویسے ہی اُس کے خرچ کرنے میں بھی احکامات ہیں، اور یہ مال تو اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔

قرآن کریم کی تلاوت کا اعزاز اللہ تبارک و تعالیٰ نے صرف انسان کو دیا ھے:

فرمایا کہ قرآن پاک کے پڑھنے کا اعزاز اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرشتوں کو عطا نہیں کیا ہے۔ ذکر کا اعزاز دیا ہوا ہے کہ:

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ (البقرہ:۳۰)

ترجمہ: اور ہم پڑھتے رہتے ہیں تیری خوبیاں اور یاد کرتے ہیں تیری پاک ذات کو ہم برابر تسبیح کرتے رہتے ہیں بحمد اللہ اور تقدیس کرتے رہتے ہیں۔ (معارف القرآن)

تسبیح اور ذکر کرنے کا اعزاز تو فرشتوں کو ملا ہے لیکن تلاوت کا اعزاز نہیں ملا ہے، اس لیے فرشتے جماعت کی نماز میں قرآن کو سننے کے لیے آ کر شامل ہوتے ہیں اور جب تہجد میں آدمی قرآنِ پاک پڑھتا ہے تو فرشتے آ کر اس کے ہونٹوں کو چُومتے ہیں، اور رمضان کو تو خاص مناسبت ہے قرآن پاک سے۔

(جاری ہے)

تبصرۂ کتب

(ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہٗ)

موبائل فون کے شرعی احکام:

جناب محمد قاسم صاحب فرزندِ ارجمند جناب عبدالقیوم حقانی صاحب نے ازراہِ کرم القاسم اکیڈمی کی طرف سے کتابچہ ''موبائل فون کے شرعی احکام'' بھیجا۔ یہ جناب مفتی شاہ اورنگزیب صاحب حقانی کی تحریر ہے۔ یہ تحریر وقت کی اہم ضرورت تھی جو ان کے ذریعے سے پوری ہوئی۔

بندہ ایک دفعہ پیر شفیع اللہ صاحب کی خانقاہ ٹانک میں تھا۔ اہلِ علم کا اجتماع تھا۔ جناب قاضی عبدالکریم صاحب دامت برکاتہم کلاچی نماز پڑھانے مصلّے پر تشریف لائے۔ اسی اثناء میں ایک عالم نے ان سے موبائل ٹیلیفون کا ایک مسئلہ پوچھ لیا۔ اقامت شروع ہوگئی۔ نماز کھڑی ہو رہی تھی۔ اس لئے جلدی میں حضرت نے کچھ ہاں ناں کا اشارہ کر کے جواب دیا۔ جسے سائل سمجھ نہ سکا۔ نماز کے بعد سائل نے بندہ سے پوچھا۔ خیال ہوا کہ یہ سرسری مسئلہ نہیں ہے۔ اس کے لئے باقاعدہ تحریری فتویٰ پوچھنا پڑے گا۔ مزید غور وفکر کرنے سے کئی مسائل موبائل کے ایسے سامنے آتے گئے جن کے لئے رہنمائی کی ضرورت تھی۔

کتابچہ ''موبائل فون کے شرعی احکام'' دیکھا تو ان سب سوالوں کے جواب تھے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر جوابات تھے۔ اللہ تعالیٰ ان علمائے کرام کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ جو ہر وقت اہم سوالات کے جوابات دینے کے لئے مستعد رہتے ہیں۔ موبائل استعمال کرنے والوں کے پاس یہ کتابچہ ہونا ضروری ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

سفرِ حج (قسط۔۲)

(پروفیسر ڈاکٹر قیصر علی خان صاحب، شعبۂ سول انجینئرنگ، انجینئرنگ یونیورسٹی پشاور)

منیٰ میں ہمارے کھانے پینے کا انتظام مکتب کے اندر ہی تھا لیکن یہاں بھی بدنظمی کی وجہ سے وقت پر چیزیں نہ ملتی تھی۔ قاضی صاحب شوگر کے مریض ہیں لہٰذا انہیں انتظامیہ سے کافی شکایت رہی۔ جتنی رقم کمپنی والوں نے ہم سے لی تھی اور جو وعدے انھوں نے کیے تھے اُس کو دیکھتے ہوئے یہ شکایت کچھ بے جا نہ تھی۔ ڈاکٹر نعیم صاحب نے تہیہ کیا ہوا تھا کہ حج کے دنوں میں کوئی ایسی چیز نہیں کھائیں گے جس سے اُنھیں بیت الخلا جانے کی ضرورت پڑے۔ لہٰذا وہ صرف فروٹ اور جوس پر گزارہ کرتے رہے اور حج کے پانچ دنوں کے دوران ایک مرتبہ بھی اُنہیں بیت الخلا کی ضرورت نہ پڑی۔ البتہ پیشاب اپنے بستر پر ہی کرنے کا انتظام موجود تھا اور یوں اُنھوں نے اپنے اُوپر سخت جبر کیا لیکن ہمیں تکلیف نہ ہونے دی۔ ۸ ذی الحجہ کو عصر کے وقت ہمیں بتایا گیا کہ آج رات کے ۱۲ بجے سب لوگ عرفات جانے کے لیے تیار رہیں۔ پچھلا تجربہ ابھی تازہ تھا لہٰذا میں نے ساتھیوں کو جگائے بغیر ۱۲ بجے جائزہ لیا تو وہی حالات تھے۔ واپس آ کر سونے کی کوشش کی لیکن سو نہ سکا اور تھوڑے تھوڑے وقفے سے باہر جا کر حالات دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ ۲ بجے بسیں آئیں۔ میں نے ساتھیوں کو جگایا، ضروری سامان لیا اور باہر جا کر اپنی بس کا انتظار کرنے لگے۔ تھوڑی دیر میں کافی بسیں جمع ہو گئیں۔ ہمیں کچھ اندازہ نہیں تھا کہ ہمیں کونسی بس میں سوار ہونا ہے۔ تقریباً ۲ گھنٹے بعد میجر صاحب نے ہمیں کہا کہ ہماری بس آ گئی ہے لیکن وہ یہاں سے تھوڑے فاصلے پر کھڑی ہے۔ آپ لوگ آئیں تاکہ بسوں پر سوار ہوں۔ ہم روانہ ہوئے کچھ اور لوگ بھی ویل چیئر پر تھے۔ آگے گئے تو راستہ بلاک تھا۔ میں ویل چیئر کو سڑک کے کنارے چلا رہا تھا۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بوڑھی خاتون ویل چیئر پر سوار ہو کر جا رہی ہے کہ پیچھے سے بس نے آ کر اُسے ٹکر ماری۔ آگے بھی ایک بس کھڑی تھی اور وہ بیچاری ویل چیئر سمیت دو بسوں کے درمیان پھنس کر رہ گئی۔ لوگوں نے شور و غوغا کر کے آسمان سر پر اُٹھایا۔ ہجوم کی وجہ سے ہمیں کچھ پتہ نہ چلا کہ اُس بیچاری پر کیا گزری۔

بہر حال اُسی شور و غوغا کے دوران ہی ہم نے ڈاکٹر نعیم صاحب کو بس میں سوار کیا اور یوں ہماری بس آہستہ آہستہ عرفات کی جانب روانہ ہوئی۔ ہم جب عرفات پہنچے تو سورج طلوع ہونے میں صرف چند منٹ باقی تھے۔ ہم نے جلدی سے وضو کیا اور ایک خیمہ میں جا کر فجر کی نماز جماعت سے ادا کی۔ ڈاکٹر نعیم صاحب کی اہلیہ عورتوں کے خیمے میں چلی گئی اور ہم مع اپنے کچھ ساتھیوں کے مردوں والے خیمے میں چلے گئے۔ تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد میں اُٹھ گیا۔ ساتھیوں کو بھی جگایا اور وضو کر کے نفل پڑھے۔ اُس کے بعد قرآن مجید کی تلاوت کی اور تقریباً ۱۰ بجے سب خیمے والوں کو اکٹھا کر کے فضائل یوم عرفات سنائے۔ ساتھیوں نے کافی دلچسپی سے تعلیم میں حصہ لیا۔ اُس کے بعد میں نے حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہٗ العالی کی حج پر لکھی گئی کتاب ''حج کی آسان اور مفید ترتیب'' کو پورا ختم کر کے ساتھیوں کو سنایا۔ الحمد اللہ اس سے مجمع پر کافی اثر ہوا۔ تعلیم کا فائدہ یہ ہوا کہ ہمارے خیمے میں سارے ساتھی اعمال میں لگ گئے۔ جب ظہر کی نماز کا وقت ہوا تو ایک اہلحدیث عالم ہمارے خیمے میں آئے اور لوگوں کو ظہر اور عصر اکٹھا پڑھنے کی ترغیب دینے لگے۔ میں نے ساتھیوں سے کہا کہ ہم دونوں نمازیں اپنے وقت پر پڑھیں گے۔ (چونکہ ہمارا قیام مکہ مکرمہ میں پندرہ دن سے کم تھا لہٰذا ہم نے دونوں نمازیں اپنے وقت پر قصر سے پڑھیں)۔ اہلحدیث عالم نے حج کا خطبہ خیمے میں دیا، پھر ظہر اور عصر کی نمازیں اکٹھی پڑھائیں اور اس کے بعد تشریف لے گئے۔ میں نے ظہر اور عصر کے مابین ساتھیوں کو پھر اکٹھا کیا اور مناجات مقبول کی اردو اشعار والی منزل بلند آواز سے پڑھنا شروع کیا۔ ساتھی بڑی توجہ سے سنتے رہے اور خود مجھے بھی بہت کیفیت محسوس ہوئی۔ عصر کی نماز پڑھنے کے بعد میں نے ساتھیوں سے کہا کہ اب اپنی انفرادی دعائیں مانگیں اور خوب مانگیں کہ یہ قبولیت کی خاص گھڑی ہے۔ کچھ ساتھیوں کو یہ فکر تھی کہ بس نکل جائے گی، کیونکہ بسوں والے بار بار خیموں میں آ کر لوگوں کو عرفات سے نکل جانے کی ترغیب دے رہے تھے۔ ہمارا چونکہ پہلے ہی سے یہ پروگرام بنا ہوا تھا کہ ہم مزدلفہ پیدل جائیں گے۔ لہٰذا ہم نے غروبِ آفتاب تک خوب دعائیں مانگیں۔ عصر کے بعد ہمارے معلم صاحب نے بھی عربی میں دعائیں پڑھنا شروع کیں جو ہمارے چند خیموں میں لاؤڈ سپیکر پر سنائی دے رہی تھیں۔ معلم

صاحب نے رونی آواز میں دعائیں مانگتے ہوئے لوگوں کو رُلانے کی بھرپور کوشش کی لیکن اُس کی آواز اتنی ناخوشگوار تھی کہ شاید ہی اُسے اپنے مقصد میں کامیابی ہوئی ہو۔

غروب آفتاب کے بعد ہم عرفات سے مزدلفہ کے لیے روانہ ہوئے۔ ہماری ترتیب کچھ یوں تھی کہ ویل چئیر چلانے کی ذمہ داری میری تھی۔ اکثر سامان قاضی صاحب کے حوالے تھا جو دو پہیوں والی ہاتھ گاڑی پر لاد کے لے جانا تھا۔ باہر سڑک پر پہنچے تو گاڑیوں نے ایک دوسرے سے آگے ہونے کی کوشش میں سڑک بند کی ہوئی تھی۔ ہم آہستہ آہستہ روانہ ہوئے۔ ایک جگہ پہنچ کر ہم ایسے پھنس گئے کہ اب نہ آگے جاسکتے ہیں اور نہ پیچھے۔ آگے جانے کی ایک صورت تھی وہ یہ کہ دو بسوں، جو ایک دوسرے کے پیچھے کھڑی تھیں، کے درمیان تنگ سے راستے میں سے گزرا جائے۔ ہمارے ذہن میں چونکہ منیٰ کا واقعہ ابھی تازہ تھا، لہٰذا ہم کسی قسم کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہ تھے۔ لیکن جب کافی وقت گزر گیا تو میں نے آہستہ آہستہ احتیاط سے ویل چئیر کو بڑھایا اور ساتھیوں سے کہا کہ وہ میرے پیچھے آتے رہیں۔ خدا کا کرنا کہ جیسے ہی میں نے ویل چئیر دونوں بسوں کے درمیان پہنچا دی بسیں حرکت میں آئیں۔ میں چونکہ اس صورتحال کے لیے ذہنی طور پر تیار تھا اس لیے میں نے فوراً ویل چئیر کو واپس کھینچ لیا اور یوں اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک بڑے حادثے سے بال بال بچالیا۔ میں نے ڈاکٹر نعیم صاحب کے چہرے پر اس واقعے کے اثرات دیکھنے کی کوشش کی لیکن وہ بالکل مطمئن دکھائی دے رہے تھے۔ میں نے مزید خطرے سے بچنے کے لیے ویل چئیر کو کچی سڑک پر ڈال دیا اور آہستہ آہستہ چلتے گئے۔ یہاں تک کہ ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں صرف پیدل چلنے والے تھے اور اُس جگہ سے آگے بسوں کا داخلہ ممنوع تھا۔ اب ہم پکی سڑک پر تھے۔ ہم شاداں وفرحاں مزدلفہ کی جانب رواں دواں تھے کہ اچانک ویل چیئر کا ایک پہیہ نکل گیا اور ویل چیئر اُلٹتے اُلٹتے بچ گئی۔ قاضی صاحب اور میں نے ڈاکٹر نعیم صاحب کو ویل چیئر سے اُٹھا کر سڑک کے کنارے ایک پتھر پر بٹھا دیا۔ اور خود ویل چیئر کا پہیہ ٹھیک کرنے کی کوشش میں لگ گئے۔ ظاہر میں پہیہ ٹھیک ہونے کی کوئی صورت نہ تھی۔ ہمارے پاس اوزار تھے اور نہ ہی ہمیں ویل چیئر مرمت کرنے کا کوئی تجربہ تھا۔ میں نے ویل چیئر کی حالت دیکھی تو میرے دل پر مایوسی چھا گئی۔ قاضی صاحب نے مجھے

کہا کہ کہیں سے دو پتھر لاؤ۔ قاضی صاحب پتھروں سے مڑے ہوئے پہیے کو سیدھا کرنے لگے۔ پھر مجھے کہنے لگے کہ اگر کہیں سے کوئی اوزار مل جائیں تو پہیہ دوبارہ لگ سکتا ہے۔ میں نے اِدھر اُدھر نگاہ ڈالی تو ایک نفسا نفسی کا عالم تھا۔ سارے لوگ اس کوشش میں تھے کہ جلد سے جلد مزدلفہ پہنچیں۔ اب مجھے یہ یقین ہونے لگا کہ ہماری رات ادھر ہی گزرے گی۔ ہماری پریشانی دیکھتے ہوئے ڈاکٹر نعیم نے کہا کہ ویل چیئر کے پیچھے ایک جیب ہے اُس میں دیکھ لیں شاید کچھ اوزار مل جائیں۔ قاضی صاحب نے ویل چیئر کے جیب میں ہاتھ ڈالا تو اُس میں وہ تمام اوزار مل گئے جو ہمیں چاہیے تھے۔ اوزار ملنے سے ہم سب کی خوشی دیدنی تھی۔ قاضی صاحب اوزار لے کر پہیہ لگانے کی کوشش کرنے لگے اور بالآخر تقریباً ایک گھنٹے کی کوشش کے بعد ویل چیئر چلنے کے قابل ہوئی۔ لیکن اس حال میں کہ میں اُس کو دائیں موڑوں تو وہ بائیں جائے اور بائیں موڑوں تو دائیں جائے۔ بہر حال جیسے تیسے کر کے ہم نے ڈاکٹر نعیم صاحب کو ویل چیئر پر بٹھایا اور دوبارہ اپنا سفر شروع کیا۔ کیونکہ ہمارے پاس اس ٹوٹی پھوٹی ویل چیئر پر ہی سفر کرنے کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا۔ ہم چلتے گئے حتیٰ کہ ہمیں مزدلفہ کا بورڈ نظر آیا۔ بورڈ پر لکھا تھا کہ ’’مزدلفہ یہاں سے شروع ہوتا ہے‘‘۔ جوں جوں ہم بورڈ کے قریب ہوتے گئے بھیڑ میں اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ جب ہم بورڈ سے صرف ۳۰ گز کے فاصلے پر رہ گئے تو آگے راستہ بالکل بند تھا۔ میں ویل چیئر کو انتہائی آہستہ چلا رہا تھا کیونکہ مجھے خدشہ تھا کہ اگر اس بار پہیہ نکل گیا تو شاید پھر اس کے ٹھیک ہونے کی کوئی صورت نہ ہو سکے۔ دو گھنٹے کی لگاتار کوشش کے باوجود ہم صرف چند قدم کا فاصلہ طے کر سکے۔ اس کے علاوہ بھیڑ کی وجہ سے حبس اتنا زیادہ تھا کہ مجھے اندازہ ہوا کہ اگر ہم نے مزید آگے جانے کی کوشش کی تو بے ہوش ہو جائیں گے۔ یہ صورتحال دیکھتے ہوئے میں نے ساتھیوں سے کہا کہ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ یہاں مزدلفہ کی حدود کے باہر ہی تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد دوبارہ کوشش کی جائے۔ میں ویل چیئر کو واپس لے آیا۔ ایک جگہ پر ڈاکٹر نعیم صاحب کی اہلیہ کو کچھ خواتین نے بیٹھنے کی جگہ دی۔ ویل چیئر کو ہم نے لِٹایا اور ڈاکٹر نعیم صاحب کو کہا کہ وہ تھوڑی دیر آرام کریں۔ قاضی صاحب اور میں نے پہلے تو متبادل راستہ تلاش کرنے کی کوشش کی۔ لیکن جب کامیابی نہ ملی تو ہم دونوں ایک طرف جا کر بیٹھ

گئے۔ رات کو موسم کافی معتدل تھا۔ ورنہ عام طور پر مزدلفہ کی رات میں تیز ہوائیں چلتی ہیں اور بعض اوقات رات کو کافی سردی ہوجاتی ہے۔ یہ تقریباً ۱۲ بجے کا وقت تھا میں نے سوچا کہ اگر صبح صادق سے پہلے ہم مزدلفہ میں داخل نہ ہوسکے تو ہماری مغرب اور عشاء کی دو نمازیں جو مزدلفہ پہنچ کر پڑھنی ہوتی ہیں قضا ہوجائیں گی۔ لہٰذا میں نے ساتھیوں سے کہا کہ دونوں نمازیں یہیں پڑھ لیتے ہیں اور اُس کے بعد سو جاتے ہیں۔ ۳ بجے اُٹھ کر دوبارہ کوشش کریں گے، اگر مزدلفہ کی حدود میں داخل ہوگئے تو وہاں جاکر نمازیں دوبارہ پڑھ لیں گے۔ حج ختم ہونے کے بعد جب میں نے مفتی غلام الرحمان صاحب (مہتمم جامعہ عثمانیہ، نوتھیہ، پشاور) سے یہ واقعہ ذکر کیا تو اُنھوں نے کہا کہ آپ لوگوں نے بالکل ٹھیک کیا ہے۔

۳ بجے میری آنکھ کھلی تو سب سے پہلے میں نے مزدلفہ کی حدود میں داخل ہونے والے راستے کو دیکھا۔ ابھی بھی بھیڑ تھی لیکن رات سے کم تھی۔ میں نے ساتھیوں کو جگایا اور مزدلفہ کی حدود میں داخل ہونے کی کوشش کرنے لگے۔ ۳۰ گز کا یہ راستہ ہم نے تقریباً ۲ گھنٹے میں طے کیا اور تقریباً ۵ بجے ہم مزدلفہ کے حدود میں داخل ہوگئے۔ لیکن اس دوران قاضی صاحب ہم سے بچھڑ گئے۔ صبح صادق کا وقت ۵:۲۰ پر تھا۔ ہم نے سب سے پہلے مغرب اور عشاء کی نمازیں دُہرائیں۔ نماز پڑھنے کے بعد میں نے قاضی صاحب کو تلاش کرنا شروع کیا لیکن کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ قاضی صاحب کا موبائل جس ہینڈ بیگ میں تھا وہ بھی ہمارے پاس تھا لہٰذا اب قاضی صاحب سے رابطے کی کوئی صورت نہ تھی۔ قاضی صاحب کے پاس کافی سامان تھا اور دو پہیوں کی سامان والی گاڑی جس پر سامان لدا ہوا تھا کافی کمزور تھی۔ عرفات سے مزدلفہ آتے ہوئے قاضی صاحب اُس کو کبھی دھکیلتے اور کبھی کھینچتے۔ اِس کھینچا تانی میں کئی دفعہ گاڑی الٹی اور یوں بار بار ہمیں سامان باندھنا پڑھتا۔ اب مجھے فکر تھی کہ قاضی صاحب سامان کے ساتھ کیا کریں گے؟ اس کے علاوہ سب سے زیادہ پریشانی مجھے اس بات کی تھی کہ اب اگر ہماری ویل چیئر کا پہیہ نکل گیا تو اس کو ٹھیک کون کرے گا؟ میں ان خیالات میں سرگرداں تھا کہ صبح کی اذانیں شروع ہوگئی۔ لوگوں نے نماز پڑھنی شروع کی۔ ہم نے بھی نماز پڑھی اور پھر دعاؤں میں لگ گئے۔ لوگ نماز پڑھ کر مزدلفہ سے روانہ ہونے لگے۔ میں نے ڈاکٹر نعیم صاحب کو کہا کہ ہم طلوع آفتاب کے بعد آرام سے یہاں سے نکلنا

شروع کریں گے۔ اور یہاں سے سیدھا منیٰ میں اپنے خیمے میں پہنچنے کی کوشش کریں گے۔ وہاں سے پھر شیطان کو کنکریاں مارنے کے لیے جانے کی منصوبہ بندی کریں گے۔ جب سورج طلوع ہو کر کافی بلند ہوا اور مزدلفہ میں ہمارے علاوہ صرف چند اور کمزور لوگ رہ گئے تو ہم نے آہستہ آہستہ اپنا سفر شروع کیا۔ مزدلفہ کا میدان پانی کی خالی بوتلوں اور گتے کے ڈبوں سے بھرا ہوا تھا۔ میں ویل چیئر کو انتہائی احتیاط سے چلا رہا تھا۔ جب بھی ویل چیئر کا پہیہ کسی بوتل پر آتا تو ویل چیئر کو جھٹکا لگتا اور پہیہ نکل جانے کے خدشے کے پیشِ نظر میرے ہاتھ پاؤں پھول جاتے۔ جاتے جاتے ایک جگہ جب میری نظر ویل چیئر کے پہیے پر پڑی تو مجھے ایسا لگا جیسا کہ پہیہ ویل چیئر سے جُدا اچل رہا ہے۔ میں نے ویل چیئر کو روک کے دیکھا۔ تو واقعی پہیہ اب ایسی حالت میں تھا کہ ایک ہلکا سا جھٹکا ہی اُسے دوبارہ نکالنے کے لیے کافی تھا۔ بہر حال ہمارے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ اسی ویل چیئر پر اپنا سفر جاری رکھتے جائیں۔ ہم چلتے رہے، یہاں تک کہ ہم ایک بہت چوڑی سڑک پر پہنچ گئے۔ سڑک کے دائیں بائیں دونوں جانب لمبے لمبے جنگلے لگے ہوئے تھے جس کی وجہ سے دائیں یا بائیں حرکت ممکن نہ تھی۔ آگے کافی رش تھا اور لوگ چیونٹی کی رفتار سے چل رہے تھے۔ لوگوں کی بھیڑ اور سورج کی گرمی سے میرے سر میں سخت درد شروع ہوا۔ عرفات سے روانگی کے بعد اب تک ہم بسکٹ اور جوس پر گزارہ کر رہے تھے لیکن اب ہمارے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز نہ تھی۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ میرا شوگر لیول کافی کم ہو گیا ہے۔ ہم آہستہ آہستہ آگے چل رہے تھے یہاں تک کہ ایک جگہ پہنچ کر بالکل رُک گئے۔ میں نے پنجوں کے بل کھڑے ہو کے دیکھا تو کچھ افریقی مسلمانوں کو دیکھا جو ہماری مخالف سمت میں دوڑتے ہوئے آرہے تھے اور سیکورٹی والے اُن کو روکنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اِس دھکم پیل کی وجہ سے راستہ مکمل طور پر بند ہو گیا تھا۔ میں نے دائیں بائیں دیکھا تو راستے کے دونوں جانب لگے ہوئے جنگلوں کی وجہ سے کوئی جگہ بچاؤ کی نظر نہ آئی اور پیچھے جانا موت کو دعوت دینا تھا۔ دائیں جانب جنگلے کے قریب کچھ سیکورٹی والوں نے بیمار اور معذور افراد کے لیے موبائل ایمرجنسی یونٹ لگایا تھا۔ میں نے آہستہ آہستہ ویل چیئر کو حرکت دینا شروع کیا اور اسے تھوڑا سا آگے اور تھوڑا سیدھے ہاتھ موڑتا رہا یہاں تک کہ تقریباً دو گھنٹے کی کوشش

کے بعد میں ایمرجنسی یونٹ کے قریب پہنچ گیا۔اب صرف چند قدم کا فاصلہ تھا کہ اچانک مخالف سمت سے آنے والے افریقی مسلمانوں کا ریلا ہماری جانب آیا۔ کچھ لوگ میرے اور ویل چیئر کے درمیان گزرنے کی کوشش کرنے لگے،لیکن میں نے ویل چیئر کو مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا۔اس دھکم پیل میں ویل چیئر ایک طرف اُٹھ گئی اور تقریباً ۴۵ درجے کے زاویے پر ہوکر صرف دو پہیوں پر کھڑی رہ گئی۔ میں نے اپنی پوری قوت صرف کرکے ویل چیئر کو سیدھا کیا لیکن اس کوشش میں خود ایک دوبار گرتے گرتے بچا۔ عرفات میں جب میں تعلیم کررہا تھا تو دوران حج شہادت کی فضیلتیں خصوصی طور پر بیان کی تھی۔جب ویل چیئر اُلٹنے کے قریب ہوئی تو ایک لمحے کے لیے وہ ساری فضیلتیں میرے آنکھوں کے سامنے گزری اور مجھے یوں لگا کہ شاید وہ لمحہ آپہنچا۔ ہمارے پورے حج کے دوران یہ مشکل ترین لمحہ تھا۔بہرحال ایمرجنسی یونٹ کے دفتر میں پہنچ کر ہم سب نے سکھ کا سانس لیا۔دھکم پیل اب بھی ہورہی تھی،لیکن ہم اُس سے محفوظ تھے۔میں ڈاکٹر نعیم صاحب سے آنکھیں چراتا رہا کہ کہیں وہ یہ نہ کہنے لگے کہ میں نے تو تمھیں کہا تھا کہ میرے لیے حج کرنا ممکن نہیں لیکن تم کہتے کہ فکر کی کوئی بات نہیں انشاءاللہ خیر ہوجائے گی تو اب بھگتو۔لیکن جب میں نے اُس کے چہرے کی طرف کن اکھیوں سے دیکھا تو ایسا لگا جیسا کہ وہ حوصلے کا ایک پہاڑ ہو۔اُس کے چہرے پر ذرہ برابر گھبراہٹ کے آثار نہیں تھے۔اُس کی اہلیہ نے بھی انتہائی بہادری کا ثبوت دیا اور اس مشکل ترین مرحلے پر کوئی شور واویلا نہیں کیا۔ بلکہ خاموشی سے تمام تکالیف کو برداشت کرتی رہی۔

ڈیڑھ گھنٹے بعد جب رش کم ہوا تو ہم نے اُس ٹوٹی ہوئی ویل چیئر پر دوبارہ سفر شروع کیا۔ مجھے حیرانی اس بات پر تھی کہ اس واقع کے بعد میرا سر درد بالکل ٹھیک ہوگیا تھا۔حالانکہ میں نے کچھ بھی کھایا پیا نہ تھا۔اب میں پہلے سے کافی تازہ دم تھا۔تھوڑا آگے چلے تو ایک طرف کچھ کُھلی جگہ دکھائی دی۔ وہاں گئے تو بیت الخلاء اور وضو خانے تھے۔لیکن پینے کا پانی نہیں تھا۔میں نے ویل چیئر سائیڈ پر کھڑی کی اور خود پانی کی تلاش میں چلا گیا۔ چونکہ اس سڑک کے دونوں طرف جنگلے تھے لہٰذا دائیں بائیں نکلنے کی کوئی صورت نہ تھی۔جنگلوں سے اُس پار منیٰ کے خیمے تھے۔اُس میں کچھ لوگ پانی اور

فروٹ بیچ رہے تھے لیکن اُن تک تب ہی پہنچا جا سکتا تھا، جب جنگلوں کے اوپر چھلانگ لگائی جائے۔ میں نے ہمت کی اور ایک جنگلے سے اوپر چھلانگ لگا کر پانی اور فروٹ لے آیا۔ ہم سب نے پانی پیا، کیلے کھائے اور تھوڑی دیر بعد پھر اپنا سفر شروع کیا۔ ہم چلتے گئے اور راستے میں لوگوں سے اپنے مکتب کا پتہ پوچھتے گئے۔ راستے میں کافی ہندوستانی گائیڈ نظر آئے جو ہمیں پاکستانی ہونے کی وجہ سے راستہ نہیں بتا رہے تھے۔ ہمیں کوئی پاکستانی گائیڈ نظر نہیں آیا جس سے ہم راستہ پوچھتے۔ بہرحال چلتے چلتے ایک جگہ اپنے مکتب کے کچھ نشان نظر آ گئے۔ اُس نشان پر چلتے گئے اور بالآخر تقریباً دن کے ایک بجے ہم اپنے مکتب پہنچ گئے۔ اور یوں ۹ ذی الحجہ کو مغرب کے وقت عرفات سے جو سفر ہم نے شروع کیا تھا، ۱۰ ذی الحجہ کو ایک بجے منیٰ میں آ کر اپنے مکتب میں اختتام پذیر ہوا۔ مکتب میں پہنچے تو قاضی جاوید صاحب پہلے سے پہنچ چکے تھے۔ اُنہیں دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ جب ہم اپنے خیمے میں پہنچے اور ویل چیئر کو ڈاکٹر نعیم صاحب کے لیٹنے کے لیے لٹانا چاہا تو ویل چیئر کا پہیہ نوے درجے کے زاویے پر مُڑ کر مکمل طور پر بے کار ہو گیا۔ لیکن اب ہمیں کوئی فکر نہ تھی کیونکہ اُس نے اپنا کام کر لیا تھا۔

کچھ دیر ستانے اور کھانے پینے کے بعد قاضی صاحب اور میں شیطان کو کنکریاں مارنے کے لیے چلے گئے۔ میں نے ڈاکٹر نعیم صاحب کے لیے اور قاضی صاحب نے اُنکی اہلیہ کے لیے شیطان کو کنکریاں ماریں۔ شیطان کو کنکریاں مارنے کے دوران انتشار نہیں تھا۔ اور یوں یہ مرحلہ آسانی سے طے ہو گیا۔ اُسکے بعد قربانی کا مسئلہ تھا۔ قاضی صاحب نے کہا کہ مفتی غلام الرحمٰن صاحب مہتمم جامعہ عثمانیہ پشاور کو ٹیلیفون کرتے ہیں کہ ہمارے لیے قربانی کا انتظام کریں۔ اُن کو ٹیلیفون کیا تو اُنھوں نے کہا کہ ہم کل آپ لوگوں کے لئے قربانی کریں گے۔ ہم نے کہا ٹھیک ہے کل کر لیں۔ کنکریاں مارنے کے بعد ہم واپس اپنے خیمہ میں آئے اور عصر تک خوب گہری نیند سوئے۔ اگلے دن ۱۱ ذی الحجہ کو صبح تقریباً ۹ بجے مفتی غلام الرحمٰن صاحب نے ہمیں فون کیا کہ آپ لوگوں کی قربانی ہو چکی ہے۔ ہم نے جیسے ہی یہ خبر سنی فوراً باہر جا کر حلق کرایا (سر کے بال مونڈھ دیے)، ڈاکٹر نعیم صاحب کا سر بھی مونڈھ دیا۔ سر مونڈھنے کے بعد ہم نے غسل کیا، کپڑے تبدیل کیے۔ قاضی صاحب نے ہمت کر کے ڈاکٹر نعیم صاحب کو بھی غسل کرا دیا، کپڑے تبدیل کروائے اور یوں ہم احرام کی پابندیوں سے نکل آئے۔

عجیب

(ڈاکٹر مولانا عبید اللہ صاحب)

حاجی غلام حیدر صاحب فاضلِ دیوبند روایت کرتے ہیں کہ ہمارے بڑوں میں ایک جید عالم ''ابا'' صاحب ہوا کرتے تھے۔ فاضلِ دیوبند تھے اور منطق کے بہت ماہر تھے۔ ہندوستان سے ہی شادی کی تھی ۔ اُن کی اہلیہ ان کی تعلیم مکمل ہونے کے بعد اُن کے ساتھ لاہور غربی ضلع صوابی آگئی تھیں۔ ہماری ثقافت کے مطابق خاوند کی بہن یعنی نند کے ساتھ خوب لڑائی ہوتی رہتی تھی ۔ ابا صاحب سن سن کر سن تو نہ ہوئے بہر حال اُن کا پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا۔ غور و خوص کیا آخر اپنے منطق کے زور سے ایک منصوبہ بنایا۔ تیز چھری لئے گھر آئے۔ گھر والی نے پوچھا کہ چھری کا کیا مطلب؟ انہوں نے جواب میں کہا بس اس سے تیری نند یعنی اپنی بہن کو ذبح کر رہا ہوں کیونکہ اس کی لڑائیاں ختم نہیں ہوتیں۔ تم نے اتنی قربانیاں دیں، ہندوستان سے میرے ساتھ آئیں اور یہ ہے کہ تمہیں سکون سے نہیں رہنے دیتی۔ بیوی سٹپٹائی اور کہا خدا کا خوف کرو عالم ہوتے ہوئے قتل کا اقدام کر رہے ہو۔ خاوند نے کہا میری تو کوئی دشمنی نہیں میری تو بہن ہے آپ کی وجہ سے مجبوراً ایسا کر رہا ہوں۔ اُس نے کہا مجھے اس جرم میں اپنے ساتھ شامل نہ کرو۔ ابا صاحب نے کہا کہ ایک شرط پر چھوڑ سکتا ہوں کہ آئندہ تو اس سے لڑائی بند کرے گی اور اس واقعے کا اس کے سامنے تذکرہ بھی نہیں کرے گی۔ اُس نے مجبوراً وعدہ کیا۔ یہی ناٹک (Drama) بہن کے ساتھ بھی کیا وہ بھی بہت ڈری اور مارے ڈر کے نہ لڑنے کا پکا وعدہ کیا۔ یوں اس لڑائی کے مشغلے کا خاتمہ ہوا۔

وہ سچ جس سے فساد پھیلے اُس کے مقابلے میں اس طرح کی ہیرا پھیری جس سے اہم اور ضروری مقاصد حاصل ہوسکیں کہیں زیادہ بہتر اور افضل ہے۔ احمق آدمی سچ بول کر حالات خراب کر دیتا ہے۔ دانشور ہیرا پھیری کرنے کے باوجود اپنے آپ کو جھوٹ سے محفوظ رکھتا ہے۔

اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رُخِ زیبا لے کر

(قدرت اللہ شہاب مرحوم کی کتاب شہاب نامہ سے ڈاکٹر محمد طارق کا انتخاب)

آزاد کشمیر میں ضلع کی سطح پر کام سنبھالنے کے لئے ہم نے پنجاب گورنمنٹ سے چند پی سی ایس افسر ڈیپوٹیشن پر بھی لئے ہوئے تھے۔ ان میں ایک کا نام کیپٹین میاں محمد سعید تھا۔ ۱۹۵۲ء کے دوران جب میں جھنگ کا ڈپٹی کمیشنر تھا، تو حُسنِ اتفاق سے یہ بھی اُسی ضلع میں متعین تھے۔ ۱۹۴۸ء میں پہلی بار آزاد کشمیر میں میرے ان کے ساتھ نہایت خوشگوار تعلقات استوار ہو چکے تھے۔ ایک بار راولپنڈی سے پچاس ہزار روپے کی رقم دے کر تنخواہیں تقسیم کرنے کے لئے پلندری بھیجا گیا، سڑک بھی خراب تھی اور بارش بھی موسلا دھار برس رہی تھی۔ آزاد کشمیر کے علاقے میں جیپ پھسل کر ایک گہری کھڈ میں جا گری۔ میاں سعید کے نہایت شدید زخم آئے اوہ بہت سی ہڈیاں بھی ٹوٹ گئیں۔ اپنی تکلیف بھُلا کر انہوں نے پچاس ہزار روپے کی رقم کا بیگ اپنے بغل میں دبایا اور اُس کی حفاظت کرنے کے لئے مستعد ہو کر بیٹھ گئے۔ حادثہ کی خبر سن کر آس پاس کے بہت سے دیہاتی بھی جائے وقوعہ پر جمع ہو گئے۔ انہیں جب معلوم ہوا کہ شدید زخموں کے باوجود میاں صاحب سرکاری رقم کی حفاظت کی وجہ سے پریشان ہیں تو سب نے مل کر بہ یک آواز درخواست کی کہ وہ آرام سے لیٹ جائیں یہ رقم بیت المال کی امانت ہے اس کی حفاظت کرنا ہمارا فرض ہے۔ کئی گھنٹوں کے بعد جب امدادی ٹیم وہاں پہنچی تو میاں صاحب زخموں کی تاب نہ لا کر نڈھال ہو چکے تھے اور سرکاری رقم دیہاتیوں کی حفاظت میں جوں کی توں موجود تھی۔

جس مقام پر اب منگلا ڈیم واقع ہے، وہاں پر پہلے میر پور کا پرانا شہر آباد تھا۔ جنگ کے دوران اس شہر کا بیشتر حصہ ملبے کا ڈھیر بنا ہوا تھا۔ ایک روز ایک مقامی افسر کو اپنی جیپ میں بٹھائے اس کے گرد ونواح میں گھوم رہا تھا۔ راستے میں ایک مفلوک الحال بوڑھا اور اُس کی بیوی ایک گدھے کو ہانکتے ہوئے سڑک پر آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ دونوں کے کپڑے میلے کچیلے اور پھٹے پرانے

تھے۔ دونوں کے جوتے بھی ٹوٹے پھوٹے تھے۔ انہوں نے اشارے سے ہماری جیپ کو روک کر دریافت کیا، ''بیت المال کس طرف ہے؟'' آزاد کشمیر میں سرکاری خزانے کو بیت المال ہی کہا جاتا تھا۔

میں نے پوچھا، ''بیت المال میں تمہارا کیا کام ہے؟'' بوڑھے آدمی نے سادگی سے جواب دیا، ''میں نے اپنی بیوی کے ساتھ مل کر میرپور شہر کے ملبے کو کرید کرید کر سونے اور چاندی کے زیورات کی دو بوریاں جمع کی ہیں۔ اب انہیں اس کھوتے پر لاد کر ہم بیت المال میں جمع کروانے جا رہے ہیں۔''

ہم نے ان کا گدھا ایک پولیس کانسٹیبل کی حفاظت میں چھوڑا اور بوریوں کو جیپ میں رکھ کر دونوں کو اپنے ساتھ بٹھا لیا تا کہ انہیں بیت المال لے جائیں۔

آج بھی جب وہ نحیف و نزار اور مفلوک الحال جوڑا مجھے یاد آتا ہے تو میرا سر شرمندگی اور ندامت سے جھک جاتا ہے کہ جیپ کے اندر میں اُن دونوں کے برابر کیوں بیٹھا رہا، مجھے تو چاہئے تھا کہ میں ان کے گرد آلود پاؤں اپنی آنکھوں اور اپنے سر پر رکھ کر بیٹھتا۔ ایسے پاکیزہ سیرت لوگ پھر کہاں ملتے ہیں۔

؎ اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رُخِ زیبا لے کر!

ایک روز ایک پرائمری سکول کا ایک استاد رحمت الٰہی آیا۔ وہ چند ماہ بعد ملازمت سے ریٹائر ہونے والا تھا۔ اُس کی تین جوان بیٹیاں تھیں، رہنے کے لئے اپنا گھر بھی نہیں تھا۔ پنشن نہایت معمولی ہو گی۔ اُسے یہ فکر کھائے جا رہی تھی کہ ریٹائر ہونے کے بعد وہ کہاں رہے گا؟ لڑکیوں کی شادیاں کس طرح ہو سکیں گی؟ کھانے پینے کا خرچ کیسے چلے گا؟ اُس نے مجھے سرگوشی میں بتایا کہ پریشانی کے عالم میں وہ کئی ماہ سے تہجد کے بعد رو رو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فریادیں کرتا رہا ہے۔ چند روز قبل اُسے خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی جس میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ

تم جا کر جھنگ کے ڈپٹی کمشنر کو اپنی مشکل بتاؤ اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ پہلے تو مجھے شک ہوا کہ یہ شخص جھوٹا خواب سنا کر مجھے جذباتی طور پر بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ میرے چہرے پر شک اور تذبذب کے آثار دیکھ کر رحمت الٰہی آبدیدہ ہو گیا اور بولا، ”جناب جھوٹ نہیں بول رہا، اگر جھوٹ بولتا تو اللہ کے نام پر بولتا، حضور رسولِ پاک ﷺ کے نام پر کیسے جھوٹ بول سکتا ہوں؟“ اُس کی منطق پر میں حیرانی کا اظہار کیا تو اُس نے فوراً کہا، ”آپ نے سنا نہیں کہ باخدا دیوانہ و با مصطفیٰ ہشیار باش۔“ یہ سن کر میرا شک پوری طرح تو رفع نہ ہوا لیکن سوچا کہ اگر یہ شخص غلط بیانی سے بھی کام لے رہا ہے تو ایسی عظیم ہستی کے اسمِ مبارک کا سہارا لے رہا ہے جس کی لاج رکھنا ہم سب کا فرض ہے۔ چنانچہ میں نے رحمت الٰہی کو تین ہفتے کے بعد دوبارہ آنے کے لئے کہا۔ اس دوران میں نے خفیہ طور پر اُس کے ذاتی حالات کا کھوج لگایا اور یہ تصدیق ہو گئی کہ وہ اپنے علاقے میں نہایت سچا، پاکیزہ، اور پابندِ صوم وصلوٰۃ آدمی مشہور ہے اور اُس کے گھریلو حالات بھی وہی تھے جو اُس نے بیان کئے تھے۔

اُس زمانے میں کچھ عرصہ کے لئے صوبائی حکومت نے ڈپٹی کمشنروں کو یہ اختیار دے رکھا تھا کہ سرکاری بنجر زمین کے آٹھ مربعے تک ایسے خواہشمندوں کو طویل میعاد پر دیئے جا سکتے ہیں جو انہیں آباد کرنے کے لئے آمادہ ہوں۔ میں نے اپنے مال افسر کو بلا کر کہا کہ وہ کسی مناسب جگہ کراؤن لینڈ کے ایسے آٹھ مربعے تلاش کرے جنہیں جلد از جلد زیرِ کاشت لانے میں کوئی خاص دشواری پیش نہ آئے۔ غلام عباس (مال افسر) نے غالباً یہ سمجھا کہ شاید یہ اراضی میں اپنے کسی عزیز کو دینا چاہتا ہوں۔ دیکھتے ہی دیکھتے اُس نے پکی سڑک کے قریب نیم آبادسی زمین ڈھونڈ نکالی اور رحمت الٰہی کے نام الاٹمنٹ کی ضروری کاروائی کر کے سارے کاغذات میرے حوالے کر دیئے۔

دوسری پیشی پر جب رحمت الٰہی حاضر ہوا تو میں نے یہ نذرانہ اُس کی خدمت میں پیش کر کے اُسے مال افسر کے حوالے کر دیا کہ قبضہ دلوانے اور باقی ضروریات پوری کرنے میں اُس کی پوری

پوری مدد کرے۔

تقریباً نو برس بعد میں صدر ایوب کے ساتھ کراچی میں کام کر رہا تھا کہ ایوانِ صدر میں میرے نام ایک رجسٹرڈ خط موصول ہوا۔ یہ ماسٹر رحمت الٰہی کی جانب سے تھا کہ اس زمین پر محنت کر کے اُس نے اپنی تینوں بیٹیوں کی شادی کردی ہے اور وہ اپنے اپنے گھروں میں خوش و خرم آباد ہیں۔ اُس نے اپنی بیوی کے ساتھ حج کا فریضہ بھی ادا کر لیا ہے اور اپنے گزارے اور رہائش کے لئے تھوڑی سی ذاتی زمین خریدنے کے علاوہ ایک کچا کوٹھا بھی تعمیر کر لیا ہے۔ ایسی خوشحالی میں اب اُسے آٹھ مربعوں کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ چنانچہ اس الاٹمنٹ کے مکمل کاغذات اس خط کے ساتھ واپس ارسال ہیں تاکہ کسی اور حاجت مند کی ضرورت پوری ہو سکے۔

میں یہ خط پڑھ کر کچھ دیر تک سکتے میں آ گیا۔ میں اسی طرح گم سُم بیٹھا تھا کہ صدر ایوب کوئی بات کرنے کے لئے میرے کمرے میں آ گئے۔ ''کس سوچ میں گم ہو؟'' انہوں نے میری حالت بھانپ کر پوچھا۔ میں نے انہیں رحمت الٰہی کا سارا واقعہ سنایا تو وہ بھی نہایت حیران ہوئے۔ کچھ دیر خاموشی طاری رہی پھر وہ اچانک بولے، ''تم نے بڑا نیک کام سرانجام دیا ہے۔ میں نواب صاحب کو لاہور ٹیلی فون کر دیتا ہوں کہ وہ یہ اراضی اب تمہارے نام کر دیں۔'' میں نے نہایت لجاجت سے گزارش کی کہ میں اس انعام کا مستحق نہیں ہوں۔ یہ سن کر صدر ایوب حیرانی سے بولے، ''تمہیں زرعی اراضی حاصل کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں؟'' ''جی نہیں سر'' میں نے التجا کی، ''اخیر میں فقط دو گز زمین ہی کام آتی ہے وہ کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی طرح مل ہی جاتی ہے۔''

☆☆☆☆☆☆☆

حضرت واثلہ ابن الاسقعؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم اپنے کسی بھائی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار مت کرو (اگر ایسا کرو گے تو ہو سکتا ہے کہ) اللہ تبارک و تعالیٰ اُس کو اس مصیبت سے نجات دے دے اور تم کو مبتلا کر دے۔

(بحوالہ معارف الحدیث از مولانا محمد منظور نعمانیؒ)

جنت کے راستے

(ماہنامہ الدعوۃ اِلی اللہ، اپریل: ۲۰۰۸ء سے ظہور الٰہی فاروقی صاحب کا انتخاب)

ہادیٔ برحق، محسنِ انسانیت، عظمت البشر، افضل الانبیاء، ختم الرسل، سرکارِ دوعالم جناب حضرت محمد ﷺ کی صاحبزادی سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک مرتبہ تندور میں روٹیاں لگا رہی تھیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور اپنی لختِ جگر سے فرمایا: فاطمہؓ! ایک روٹی میں بھی لگادوں؟ چنانچہ آپ ﷺ نے بھی ایک روٹی بنائی اور فرمایا کہ تندور میں لگادو۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وہ روٹی تندور میں لگادی۔ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روٹیاں لگا کر فارغ ہوگئیں تو کہنے لگیں......ابا جان! سب روٹیاں پک گئی ہیں مگر ایک روٹی ایسی ہے کہ جیسے لگائی تھی ویسی ہی لگی ہوئی ہے، اس پر آگ نے کوئی اثر نہیں کیا۔ نبی کریم ﷺ مسکرائے اور فرمایا کہ جس آٹے پر میرے ہاتھ لگ گئے ہیں اس پر آگ اثر نہیں کرے گی۔ **سُبحان اللہ!**

اسی طرح ایک صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر گیا۔ میں کھانا کھا رہا تھا، اُنہوں نے اپنی باندی سے کہا: جاؤ تولیہ لاؤ۔ جب وہ تولیہ لائی تو دیکھا کہ میلا کچیلا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے غصے سے دیکھا اور فرمایا کہ جاؤ، اسے صاف کرکے لاؤ۔ وہ بھاگی اور تولیہ کو تندور میں ڈال دیا۔ کچھ دیر بعد نکالا تو وہ صاف ستھرا ہوگیا

تھا۔میں یہ سب دیکھ کر حیران ہوا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ہمارے گھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اُنہوں نے اس تولیہ سے ہاتھ صاف کیے تھے۔اس کے بعد اس تولیہ کو جب تندور میں ڈالتے ہیں، آگ اس کے میل کچیل کو کھا جاتی ہے اور تولیہ صاف ہو جاتا ہے۔

یہ تو تھیں لمس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات، اب ذرا سوچئے کہ جس جسم میں طریقۂ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم نقش ہو جائے، جس دِل میں لا الہ الا اللہ سما جائے اور جس جسم پر طریقۂ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آ جائے وہ کس قدر خوش نصیب ہے اور انشاءاللہ وہ یقیناً جہنم کی آگ سے آزاد بھی ہے۔جب یہ بے جان چیزیں لمس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے دُنیا کی آگ سے محفوظ ہو گئیں تو یہ اشرف المخلوقات ......انسان سنن نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات کی بدولت جہنم کی آگ سے کیوں آزاد نہیں ہوگا۔اور اس سے بھی زیادہ خوش نصیب وہ ہیں جو نہ صرف اپنے آپ کو محمدی بنانے کی کوشش میں ہیں بلکہ اوروں کو بھی عشقِ رسالت کا جام پلانے میں مصروف ہیں۔اللہ ربّ العزت پورے عالم کے انسانوں کو سنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سانچے میں ڈھال دے۔آمین

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ○

يَا مُصَوِّرُ يَا مُصَوِّرُ يَا مُصَوِّرُ وَ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَةٍ مِّنۡ طِيۡنٍ○ ثُمَّ جَعَلۡنٰهُ نُطۡفَةً

فِیۡ قَرَارٍ مَّکِیۡنٍ ٥ ثُمَّ خَلَقۡنَا النُّطۡفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقۡنَا الۡعَلَقَۃَ مُضۡغَۃً فَخَلَقۡنَا الۡمُضۡغَۃَ عِظٰمًا فَکَسَوۡنَا الۡعِظٰمَ لَحۡمًا ق ثُمَّ اَنۡشَاۡنٰہُ خَلۡقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحۡسَنُ الۡخَالِقِیۡنَ ٥ رَبِّ ھَبۡ لِیۡ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ٥ رَبِّ لَا تَذَرۡنِیۡ فَرۡدًا وَّ اَنۡتَ خَیۡرُ الۡوٰرِثِیۡنَ ٥ رَبِّ ھَبۡ لِیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ ذُرِّیَّۃً طَیِّبَۃً ط اِنَّکَ سَمِیۡعُ الدُّعَآءِ ط یَھَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّیَھَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ الذُّکُوۡرَا ط اِلٰھِی بِحُرۡمَتِ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمۡ وَ اَھۡلِ بَیۡتِ الۡعِظَّام۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم ٥

یَا مُصَوِّرُ یَا مُصَوِّرُ یَا مُصَوِّرُ وَ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَۃٍ مِّنۡ طِیۡنٍ ٥ ثُمَّ جَعَلۡنٰہُ نُطۡفَۃً فِیۡ قَرَارٍ مَّکِیۡنٍ ٥ ثُمَّ خَلَقۡنَا النُّطۡفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقۡنَا الۡعَلَقَۃَ مُضۡغَۃً فَخَلَقۡنَا الۡمُضۡغَۃَ عِظٰمًا فَکَسَوۡنَا الۡعِظٰمَ لَحۡمًا ق ثُمَّ اَنۡشَاۡنٰہُ خَلۡقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحۡسَنُ الۡخَالِقِیۡنَ ٥ رَبِّ ھَبۡ لِیۡ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ٥ رَبِّ لَا تَذَرۡنِیۡ فَرۡدًا وَّ اَنۡتَ خَیۡرُ الۡوٰرِثِیۡنَ ٥ رَبِّ ھَبۡ لِیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ ذُرِّیَّۃً طَیِّبَۃً ط اِنَّکَ سَمِیۡعُ الدُّعَآءِ ط یَھَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّیَھَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ الذُّکُوۡرَا ط اِلٰھِی بِحُرۡمَتِ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمۡ وَ اَھۡلِ بَیۡتِ الۡعِظَّام۔

دارۂ اشرفیہ عزیزیہ کی تربیتی ترتیب

حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی پشاوری رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کی روشنی میں تربیتی ترتیب کو تین درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

درجہ اوّل: تعلیم الاسلام (مفتی کفایت اللہ صاحبؒ) کا چار پانچ مرتبہ مطالعہ تاکہ مسائل ذہن نشین ہو جائیں، جہاں سمجھ نہ آئے خود فیصلہ کرنے کی بجائے علماء سے پوچھنا، استعداد اچھی ہو تو اپنے گھر یا مسجد میں چند ساتھیوں کے ساتھ مل کر اس کو سبقاً سبقاً پڑھنا۔

اُم الامراض، اکابر کا سلوک واحسان، فیضِ شیخ (حضرت مولانا زکریاؒ)

تسہیلِ قصد السبیل، تسہیل المواعظ، اصلاحی نصاب (دس رسالوں کا مجموعہ از حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

درجہ دوم: بہشتی زیور، ملفوظاتِ حکیم الامت (مولانا اشرف علی تھانویؒ)، اُسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحبؒ)، آپ بیتی (حضرت مولانا زکریاؒ)، تذکرۃ الاولیاء (شیخ فریدالدین عطارؒ) اور کیمیائے سعادت (امام غزالیؒ)

درجہ سوم: سلوکِ سلیمانی (حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ) تربیت السالک، التکشف، بوادر نوادر، انفاس عیسیٰ، بصائر حکیم الامت (حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)، احیاء العلوم (امام غزالیؒ)

جہری ذِکر کی احتیاط اور طریقہ

سارے تصوف کے سلاسل کی طرح ہمارے سلسلہ میں بھی ذِکر کو قلب کی اصلاح میں بطور بنیادی ذریعہ شامل کیا گیا ہے۔ سلسلہ کی ترتیب میں چشتیہ صابریہ جہری طریقہ ذِکر، ضرب کے ساتھ اختیار کیا گیا ہے۔ پہلے درجہ میں صرف سو بار **لا الہ الا اللّٰہ**، سو بار **الا اللّٰہ** اور سو بار **اللّٰہ** کا ذِکر کیا جاتا ہے۔ دوسرے اور تیسرے درجہ میں **لا الہ الا اللّٰہ** دو سو بار، **الا اللّٰہ** چار سو بار **اللّٰہُ اللّٰہ** چھ سو بار، **اللّٰہ** سو بار کی اجازت دی جاتی ہے۔

کتابوں کا مطالعہ تو ہر کوئی کر سکتا ہے جبکہ جہری ذِکر کی ترتیب کے لیے بیعت، مشورہ اور اس کے طریقہ کو

بالمشافہ (آمنے سامنے) سیکھنا ضروری ہے، خود سے کرنے میں ذہنی وجسمانی نقصان کا خطرہ ہوسکتا ہے۔

ایک ناقابلِ انکار حقیقت

انسان خدا تعالیٰ کا انکار کرسکتا ہے، رسول کا انکار کرسکتا ہے آخرت کا انکار کرسکتا ہے لیکن ایک ایسی حقیقت جس کا انکار نہیں کرسکتا وہ موت ہے۔

؎ جان جانی ہے جا کر رہے گی   موت آنی ہے آ کر رہے گی

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ط وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ

ترجمہ: ہر جی کو چکھنی ہے موت اور تم کو قیامت کے دن پورے بدلے ملیں گے۔ پھر جو کوئی دور کیا گیا دوزخ سے اور داخل کیا گیا جنت میں اُس کا کام تو بن گیا۔

؎ پھول بننے کی خوشی میں مسکرائی تھی کلی   کیا خبر تھی یہ تغیر موت کا پیغام ہے

اَلْمَوْتُ قَدْحٌ كُلُّ نَفْسٍ شَارِبُوْهَا   وَالْقَبْرُ بَابٌ كُلُّ نَفْسٍ دَاخِلُوْهَا

ترجمہ: موت ایک پیالہ ہے جسے ہر نفس نے پینا ہے اور قبر ایک دروازہ ہے جس سے ہر نفس نے داخل ہونا ہے۔

حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اُن کے شیخ حضرت شاہ عبدالعزیز دعا جو دہلوی رحمت اللہ علیہ تہجد سے پہلے یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

شب تاریک، رہ باریک، منزل دور، من تنہا   دستم گیر یا اللہ!، دستم گیر یا اللہ!

رات اندھیری، راہ ہے ٹیڑھی، منزل دور اور ہم تنہا   پکڑیو ہاتھ یا اللہ!، پکڑیو ہاتھ یا اللہ!

بہرحال جن کی آخرت آباد ہے اُن کے لئے تو بشارت ہے:

اَلْمَوْتُ جِسْرٌ یُّوْصَلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْب

ترجمہ: موت ایک پُل ہے جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

بلا سے نزع میں تکلیف کیا ہے سکونِ خاطر بھی کم نہیں ہے
کسی سے ملنے کی ہیں اُمیدیں کسی سے چھٹنے کا غم نہیں ہے

یہ عالم عیش و عشرت کا یہ حالت کیف و مستی کی — بلند اپنا تخیل کر یہ سب باتیں ہیں پستی کی
جہاں دراصل ویرانہ ہے گو صورت ہے بستی کی — بس اتنی سی حقیقت ہے 'فریبِ خوابِ ہستی' کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہو جائے

ادارۂ اشرفیہ عزیزیہ کی تربیتی سرگرمیاں

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ، جو بندہ کے شیخ حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانی پشاوریؒ اور حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ کے شیخ شاہ عبدالعزیز دعا جو دہلویؒ کی یاد میں قائم ہوا ہے، سالانہ مندرجہ ذیل اصلاحی سرگرمیوں میں مصروف رہتا ہے۔

۱۔ درسِ قرآن: ہفتہ میں چھ دن بعد نماز عشاء، مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۲۔ مجلسِ ملفوظات: ہفتہ میں سات دن بوقتِ اشراق، مسجدِ فردوس، پشاور یونیورسٹی۔

۳۔ مجلسِ ذکر: بروزِ اتوار مغرب تا عشاء، مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۴۔ مجلسِ ذکر: بروزِ پیر مغرب تا عشاء، مسجدِ نُور، فیز تھری، حیات آباد، پشاور۔

۵۔ مجلسِ ذکر: بروزِ منگل مغرب تا عشاء، مسجدِ فردوس، پشاور یونیورسٹی۔

۶۔ عورتوں کی مجلس: بروزِ ہفتہ عصر تا مغرب، حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کے گھر، دھوبی گھاٹ، پشاور یونیورسٹی۔

۷۔ جمعہ کا خطبہ: مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۸۔ ماہوار اجتماع: اس کے لئے تاریخ مقرر کی جاتی ہے۔ اجتماع بروزِ ہفتہ مغرب سے شروع ہو کر بوقت چاشت اتوار کو ختم ہوتا ہے۔ مہمانوں کے قیام و طعام کا بندوبست ادارہ کی طرف سے ہوتا ہے۔

۹۔رمضان: پہلے بیس دن ہر روز مغرب سے پہلے مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی میں مجلسِ ذکر ہوتی ہے۔مہمانوں کا افطار ادارہ کی طرف سے ہوتا ہے۔آخری عشرہ میں تربیتی اعتکاف ہوتا ہے جس میں کثیر تعداد شرکت فرماتی ہے۔

۱۰۔موسمِ گرما کا اجتماع: موسمِ گرما میں شمالی علاقہ جات میں کسی ٹھنڈے مقام پر سالانہ

اجتماع منعقد کیا جاتا ہے۔

(ڈاکٹر فدا محمد مد ظلہٗ)

☆☆☆☆☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ o

یَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُو لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ o ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ o ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَکَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ق ثُمَّ اَنْشَئْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنِ o رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنِ o رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْن o رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَدُنْکَ ذُرِّیَةً طَیِّبَةً ط اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَاءِ ط یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنٰثًا وَّیَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرَا ط اِلٰهِی بَحُرْمَتِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمِ وَ اَهْلِ بَیْتِ الْعِظَّام.

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ o

یَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُو لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ o ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ o ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَکَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ق ثُمَّ اَنْشَئْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْن o رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْن o رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْن o رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَدُنْکَ ذُرِّیَةً طَیِّبَةً ط اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَاءِ ط یَهَبُ

لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرًا ط اِلٰهِی بِحُرْمَتِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ وَ اَهْلِ بَيْتِ الْعِظَام.

ادارۂ اشرفیہ عزیزیہ کی تربیتی ترتیب

حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی پشاوری رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کی روشنی میں تربیتی ترتیب کو تین درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

درجہ اوّل: تعلیم الاسلام (مفتی کفایت اللہ صاحبؒ) کا چار پانچ مرتبہ مطالعہ تا کہ مسائل ذہن نشین ہو جائیں، جہاں سمجھ نہ آئے خود فیصلہ کرنے کی بجائے علماء سے پوچھنا، استعداد اچھی ہو تو اپنے گھر یا مسجد میں چند ساتھیوں کے ساتھ مل کر اس کو سبقاً سبقاً پڑھنا۔

اُم الامراض، اکابر کا سلوک واحسان، فیضِ شیخ (حضرت مولانا زکریاؒ)

تسہیلِ قصد السبیل، تسہیل المواعظ، اصلاحی نصاب (دس رسالوں کا مجموعہ از حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

درجہ دوم: بہشتی زیور، ملفوظاتِ حکیم الامت (مولانا اشرف علی تھانویؒ)، اُسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحبؒ)، آپ بیتی (حضرت مولانا زکریاؒ)، تذکرۃ الاولیاء (شیخ فریدالدین عطارؒ) اور کیمیائے سعادت (امام غزالیؒ)

درجہ سوم: سلوکِ سلیمانی (حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ) تربیت السالک، التکشف، بوادر نوادر، انفاس عیسیٰ، بصائر حکیم الامت (حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)، احیاء العلوم (امام غزالیؒ)

جهری ذِکر کی احتیاط اور طریقه

سارے تصوف کے سلاسل کی طرح ہمارے سلسلہ میں بھی ذِکر کو قلب کی اصلاح میں بطور بنیادی ذریعہ

شامل کیا گیا ہے۔سلسلہ کی ترتیب میں چشتیہ صابریہ جہری طریقہ ذِکر،ضرب کے ساتھ اختیار کیا گیا ہے۔
پہلے درجہ میں صرف سوبار **لاالـہ الا اللّٰہ**،سوبار **الااللّٰہ** اورسوبار **اللّٰہ** کاذِکرکیا جاتا ہے۔دوسرے اورتیسرے درجہ میں **لا الہ الااللّٰہ** دوسوبار،**الااللّٰہ** چارسوبار **اللّٰہُ اللّٰہ** چھ سوبار، **اللّٰہ** سوبار کی اجازت دی جاتی ہے۔
کتابوں کا مطالعہ توہرکوئی کرسکتا ہے جبکہ جہری ذِکرکی ترتیب کے لیے بیعت،مشورہ اوراس کے طریقہ کو بالمشافہ(آمنےسامنے)سیکھنا ضروری ہے،خود سے کرنے میں ذہنی وجسمانی نقصان کا خطرہ ہوسکتا ہے۔

ایک ناقابلِ انکار حقیقت

انسان خدا تعالیٰ کا انکار کرسکتا ہے،رسول کا انکار کرسکتا ہے آخرت کا انکار کرسکتا ہے لیکن ایک ایسی حقیقت جس کا انکار نہیں کرسکتا وہ موت ہے۔

؎ جان جانی ہے جا کر رہے گی موت آنی ہے آ کر رہے گی

کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُالْمَوْتِ ط وَ اِ نَّمَاتُوَفَّوْنَ اُجُوْرَکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ط فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِوَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْفَازَ

ترجمہ: ہرجی کوچکھنی ہے موت اورتم کوقیامت کے دن پورے بدلے ملیں گے۔پھر جوکوئی دور کیا گیا دوزخ سے اوردا خل کیا گیا جنت میں اُس کا کام توبن گیا۔

؎ پھول بننے کی خوشی میں مسکرائی تھی کلی کیا خبرتھی یہ تغیرموت کا پیغام ہے

اَلْمَوْتُ قَدْحٌ کُلُّ نَفْسٌ شَارِبُوْھَا وَالْقَبْرُبَابٌ کُلُّ نَفْس ٌدَاخِلُوْھَا

ترجمہ:موت ایک پیالہ ہے جسے ہرنفس نے پینا ہےاورقبرایک دروازہ ہے جس سے ہرنفس نے داخل ہونا ہے۔

حضرت مولانا محمداشرف صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اُن کے شیخ حضرت شاہ عبدالعزیز دعا جو دہلوی رحمت اللہ علیہ تہجد سے پہلے یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

شب تاریک، رہ باریک، منزل دور، من تنہا دستم گیر یااللہ! ، دستم گیر یااللہ!

رات اندھیری، راہ ہے ٹیڑھی، منزل دور اور ہم تنہا پکڑیو ہاتھ یا اللہ! پکڑیو ہاتھ یا اللہ!

بہرحال جن کی آخرت آباد ہے اُن کے لئے تو بشارت ہے:

اَلْمَوْتُ جِسْرٌ یُّوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْب

ترجمہ: موت ایک پُل ہے جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ یہی شعر پڑھا کرتے تھے:

بلا سے نزع میں تکلیف کیا ہے سکونِ خاطر بھی کم نہیں ہے
کسی سے ملنے کی ہیں اُمیدیں کسی سے چھٹنے کا غم نہیں ہے

یہ عالم عیش و عشرت کا یہ حالت کیف و مستی کی بلند اپنا تخیل کر یہ سب باتیں ہیں پستی کی
جہاں دراصل ویرانہ ہے گو صورت ہے بستی کی بس اتنی سی حقیقت ہے 'فریبِ خوابِ ہستی' کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہو جائے

ادارۂ اشرفیہ عزیزیہ کی تربیتی سرگرمیاں

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ، جو بندہ کے شیخ حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانی پشاوریؒ اور حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ کے شیخ شاہ عبدالعزیز دعا جو دہلویؒ کی یاد میں قائم ہوا ہے، سالانہ مندرجہ ذیل اصلاحی سرگرمیوں میں مصروف رہتا ہے۔

۱۔ درسِ قرآن: ہفتہ میں چھ دن بعد نماز عشاء، مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۲۔ مجلسِ ملفوظات: ہفتہ میں سات دن بوقتِ اشراق، مسجدِ فردوس، پشاور یونیورسٹی۔

۳۔ مجلسِ ذکر: بروزِ اتوار مغرب تا عشاء، مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۴۔ مجلسِ ذکر: بروزِ پیر مغرب تا عشاء، مسجدِ نُور، فیز تھری، حیات آباد، پشاور۔

۵۔ مجلسِ ذکر: بروزِ منگل مغرب تا عشاء، مسجدِ فردوس، پشاور یونیورسٹی۔

۶۔ عورتوں کی مجلس: بروزِ ہفتہ عصر تا مغرب، حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کے گھر، دھوبی گھاٹ، پشاور یونیورسٹی۔

۷۔ جمعہ کا خطبہ: مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۸۔ ماہوار اجتماع: اس کے لئے تاریخ مقرر کی جاتی ہے۔ اجتماع بروزِ ہفتہ مغرب سے

شروع ہو کر بوقت چاشت اتوار کو ختم ہوتا ہے۔ مہمانوں کے قیام و طعام کا بندوبست ادارہ کی طرف سے ہوتا ہے۔

۹۔ رمضان: پہلے بیس دن ہر روز مغرب سے پہلے مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی میں مجلسِ ذکر ہوتی ہے۔ مہمانوں کا افطار ادارہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ آخری عشرہ میں تربیتی اعتکاف ہوتا ہے جس میں کثیر تعداد شرکت فرماتی ہے۔

۱۰۔ موسمِ گرما کا اجتماع: موسمِ گرما میں شمالی علاقہ جات میں کسی ٹھنڈے مقام پر سالانہ

اجتماع منعقد کیا جاتا ہے۔

(ڈاکٹر فدا محمد مد ظلہٗ)

☆☆☆☆☆☆☆